چلو توڑو قسم، اِقرار کریں

فرحت اِشتیاق

چلو توڑو قسم اقرار کریں

بڑے خوشگوار موڈ کے ساتھ وہ گھر میں داخل ہوئی تو سب سے پہلے لاؤنج میں مریم سے سامنا ہو گیا۔

''آپی! عمر بھائی آ گئے ہیں۔'' انتہائی جوش و خروش سے یہ جملہ یوں بولا گیا گویا کہنا چاہ رہی ہو'' آپی! پرنس چارلس آ گئے ہیں۔''

بلا کی ایکسائٹمنٹ اور خوشی اس کے چہرے پر نظر آ رہی تھی اور میرا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا جبکہ وہ اپنی دھن میں مگن میرے تاثرات سے بے خبر بولنے میں مصروف تھی'' ہم لوگ تو انہیں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ دیکھیں ذرا، کتنے چالاک ہیں، اپنے آنے کا پہلے سے بتایا بھی نہیں۔ کہنے لگے تم لوگوں کو سرپرائز دینے کے لیے اس طرح آیا ہوں۔''

اس کی بات کا کوئی جواب دیئے بغیر میں نے کچن کا رخ کیا۔ آوازوں سے لگ رہا تھا کہ تمام خواتین یہیں موجود ہیں۔ کچن کے دروازے سے اندر کا جائزہ لیا تو وہاں ایمر جنسی کا نفاذ تھا۔ ہر کوئی مصروف، کسی کے پاس بات کرنے کی فرصت نہیں تھی اور تو اور دادی بھی اپنے جوڑوں کا درد اور دیگر تمام بیماریاں بھلائے بڑی تندہی سے لاڈلے پوتے کی آمد پر شاندار ضیافت کے اہتمام میں لگی ہوئی تھیں۔ میرے سلام کا جواب بھی بڑے سرسری انداز میں دیا گیا۔

میں بڑے آف موڈ کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گئی۔ دوپٹہ، بیگ اور سینڈلز اچھال کر دور پھینکیں۔

''یہ عمر کا بچہ آ کیسے گیا، کہاں تو سب کہہ کہہ کر تھک گئے تھے اور موصوف آ کر نہیں دے رہے تھے یا اچانک نازل ہو گئے۔'' کھولتے دماغ کے ساتھ میں ہاتھ منہ دھوئے بغیر ہی بستر پر لیٹ گئی۔

''اب طے یہ کرنا ہے کہ مجھے اس سے کس طرح ملنا چاہیے، دوستانہ تعلقات تو ہمارے کبھی رہے نہیں ہیں۔ اسے بالکل اگنور کر دوں یا سرسری سے انداز میں مل کر رسمی سی باتیں کرلوں۔'' میں لیٹے لیٹے اپنا آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنے لگی۔

اس کے بارے میں سوچتے ہوئے مجھے ماضی کے بہت سے واقعات یاد آنے لگے جو ہرگز بھی خوشگوار نہیں تھے مگر وہ آخری بات اس کے لیے تو میں اس خبیث کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ دراصل میں بڑی کینہ پرور اور منتقم مزاج واقع ہوئی ہوں، کوئی میری انسلٹ کرے، مجھے کوئی نقصان پہنچائے یا دکھ دے میں اسے کبھی معاف نہیں کرتی بلکہ اس کے خلاف دل میں کینہ پالے رکھتی ہوں اور یہ عمر فاروقی، یہ تو میرا پیدائشی اور جانی دشمن ہے۔ حالانکہ یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ اسے مجھ سے کس بات کی پرخاش تھی۔ میرا انتقامی جذبہ تو محض جوابی قسم کا تھا۔ اس دشمنی کا آغاز تو اس کمینے نے شاید میری پیدائش کے روز ہی کر دیا تھا مگر میں نے ہی یہ بات، بہت بعد میں سمجھی۔

میں جب اس دنیا میں آئی تو وہ اس وقت چار سال کا تھا۔ گھر کا اکلوتا اور لاڈلا بچہ، دادی کی آنکھ کا تارا، اپنے ماں باپ کا پیارا اور میرے مما

پاپا کا راج دلارا، چار سال تک وہ بلا شرکت غیرے سب کی چاہتیں اور محبتیں سمیٹتا رہا۔

ہوسکتا ہے وہ مجھ سے اس بات پر خار کھاتا ہو کہ میں نے اس کی سلطنت اور اس کا اقتدار چھیننے کی کوشش کیوں کی ہے۔ حالانکہ یہ اس کی غلط فہمی ہی ہو سکتی تھی، مجھے تو اس کے آگے کبھی کسی قابل سمجھا ہی نہیں گیا۔ صرف اور صرف اس کی وجہ سے ہمیشہ میرا استحصال کیا گیا۔

اپنے ماں باپ کے تو سب ہی لاڈلے ہوتے ہیں اور وہ تو تھا بھی اکلوتا سو وہ ممی اور ڈیڈی کا لاڈلا تھا لیکن میرے مما پاپا نے ہمیشہ مجھ پر اسے ترجیح دے کر میرے جذبات کو مجروح کیا اور دادی انہیں تو وہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھا۔ جبکہ میں انہیں کبھی اچھی لگی ہی نہیں۔ بے ڈھنگی، بدتمیز اور بدتہذیب اور اسی قسم کے دیگر کئی القاب میں نے بچپن سے ان کے منہ سے اپنے لیے سنے اور میری مما، انہوں نے کبھی اس بات کا برا نہیں مانا کہ دادی ان کی لاڈلی کو ایسے القاب سے کیوں نوازتی ہیں۔

آج بھی سوچتی ہوں تو میرا خون کھول اٹھتا ہے۔ کہاں کہاں اس کمینے کی وجہ سے میرے اپنوں نے مجھے نظر انداز کیا۔ بہت بچپنے کی باتیں تو مجھے یاد نہیں لیکن پوری امید ہے کہ اس وقت بھی میرے ساتھ کئی زیادتیاں ہوئی ہوں گی۔

اپنے ساتھ ہونے والا پہلا برا سلوک جو مجھے یاد ہے وہ یہ تھا کہ میں اس وقت تھرڈ اسٹینڈرڈ میں تھی۔ میرا اور عمر کا اسکول ایک ہی تھا۔ اس روز ہمارا رزلٹ آنا تھا۔ گھر سے ممی، ڈیڈی، مما اور پاپا آئے تھے۔ عمر نے اپنا سابقہ ریکارڈ برقرار رکھتے ہوئے نہ صرف اپنی کلاس میں پہلی پوزیشن لی تھی بلکہ پورے اسکول میں ٹاپ کیا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کا نام اناؤنس ہو رہا تھا۔ فرسٹ پوزیشن عمر فاروقی، بیسٹ اسٹوڈنٹ آف دا ایئر۔ عمر فاروقی، موسٹ ریگولر اسٹوڈنٹ عمر فاروقی، بیسٹ ڈبیٹر عمر فاروقی اور پتا نہیں کیا کیا۔ اس کی برابر والی چیئر پر ٹرافیوں، شیلڈز اور سرٹیفکیٹس کا ڈھیر لگ گیا تھا۔ سب لوگ رشک بھری نظروں سے ممی اور ڈیڈی کی طرف دیکھ رہے تھے کہ یہ اتنا قابل اور ذہین لڑکا ان کا بیٹا ہے۔

میں بھی خوب زور و شور سے تالیاں پیٹ رہی تھی اور خوش ہوتی ہر ایک کو بتا رہی تھی کہ یہ عمر فاروقی میرا فرسٹ کزن ہے۔ ہمارے پرنسپل صاحب نے بھی بطور خاص ممی ڈیڈی کو مبارک باد دی تھی اور کہا تھا کہ ان کا بیٹا نہایت ہی ہونہار اور لائق ہے۔

گھر پہنچے تو دادی بڑی بے تابی سے ہمارا انتظار کر رہی تھیں۔ ''اماں آپ کے لاڈلے نے حسب سابق اس بار بھی میدان مار لیا ہے۔'' پاپا خوشی سے بھرپور آواز میں دادی کو بتانے لگے تو دادی ''میرا چاند، میرا لعل'' قسم کے الفاظ کہتی اسے کلیجے سے لگائے خوب پیار کرنے لگیں۔

''تم یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو، جاؤ جا کر یونیفارم چینج کرو۔'' مما نے بڑے غصیلے انداز میں کہا۔ میں ان کے لہجے پر ابھی ڈھنگ سے حیران بھی نہ ہو پائی تھی کہ دادی میری طرف متوجہ ہوئیں اور بولیں۔

''کیوں بھئی، تمہارا کیا رہا۔''

''دکھاؤ دادی کو اپنا کارنامہ۔'' مما جل کر بولیں اور رپورٹ کارڈ میرے ہاتھ سے چھین کر دادی کے سامنے رکھتے ہوئے بولیں۔

''دیکھیں آپ بھی پوتی کی ذہانت، صرف ڈرائنگ میں ''A'' اور انگلش میں ''A'' باقی سب میں ''C'' اور ''D'' گریڈ لے کر کتنے فخر سے گردن تانے کھڑی ہیں جیسے ابھی ہم سب ان کو پھولوں کے ہار پہنائیں گے۔'' مما پھٹ پڑیں اور میرا سر شرم سے جھک گیا۔

ممی کو ہی شاید کچھ میری حالت پر رحم آیا تو بولیں۔ ''کیوں بچی کو ڈانٹ رہی ہو صوفیہ! ابھی چھوٹی ہے، بڑی ہو گی تو خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔''

''خاک ٹھیک ہو جائے گی۔ پوت کے پاؤں پالنے ہی میں نظر آ جاتے ہیں۔ دن رات ایک کر کے اسے پڑھایا تھا مگر نتیجہ وہی، انتہائی کوڑھ مغز لڑکی ہے۔ یہ عمر بھی تو ہے، حالانکہ گھر میں کوئی اسے اتنی توجہ سے پڑھاتا بھی نہیں مگر پھر بھی دیکھ لیں، کاش جتنی محنت اس پر کی ہے عمر پر کرتی کچھ دل کو خوشی تو ہوتی۔'' مما کے الفاظ میں جھکے سر کے ساتھ بڑے غمزدہ انداز میں سن رہی تھی اور وہ سامنے دانت نکالے یوں کھڑا تھا گویا مجھے ڈانٹ کھاتا دیکھ کر اسے کتنی بڑی خوشی ملی ہے۔

سب گھر والوں نے عمر کو ایک سے بڑھ کر ایک قیمتی تحائف دیئے تھے۔ دادی نے اسے پورے دو سو روپے دیئے تھے جبکہ مجھے صرف ممی ڈیڈی نے باربی ڈول گفٹ کی تھی، باقی کسی نے کچھ نہ دیا تھا۔ اس روز میں اپنے کمرے میں جا کر خوب روئی تھی۔

''کیا ہوا، تم رو کیوں رہی ہو؟'' تھوڑی ہی دیر بعد وہ میرے سر پر کھڑا تھا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ آئس کریم کھاتا چہرے پر خباثت سجائے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر میرے جواب کا انتظار کیے بغیر بولا۔

''دادی نے مجھے دو سو روپے دیئے تھے، میں نے ان سے برگر اور بروسٹ کھایا، اب آئس کریم کھا رہا ہوں۔ باقی پیسوں کا سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کھاؤں؟ تم بتاؤ ناں۔'' اور اس وقت وہ مجھے زندگی میں پہلی دفعہ نہایت برا لگا تھا۔

خوب زبان نکال نکال کر کون چاٹ رہا تھا اور میں رونا دھونا بھول کر ندیدوں کی طرح کون کی طرف دیکھ رہی تھی مگر اس خبیث نے جھوٹے منہ بھی کھانے کی آفر نہ کی۔

''پتا ہے چھوٹی ممی نے مجھے گفٹ میں واک مین دیا ہے۔'' وہ مما کو چھوٹی ممی کہتا تھا ''تمہیں انہوں نے کیا دیا؟'' لہجہ مکاری سے بھرپور تھا۔

''تمہارا سر دیا ہے، دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' میں غصے سے پھنکاری تھی اور بس پھر وہیں سے ہماری دشمنی کا آغاز ہو گیا تھا بلکہ ہماری نہیں میری۔ وہ تو میرا پیدائشی دشمن تھا۔ میری ہی سمجھ میں یہ ساری بات ذرا دیر سے آئی۔

مجھے لگتا وہ صرف مجھے نیچا دکھانے کے لیے اتنا پڑھاکو بنتا ہے ورنہ اسے پڑھنے وڑھنے کا کوئی خاص شوق نہیں ہے۔ ٹھیک ہے میں اس کی طرح بہت جینئس نہیں تھی مگر مما اٹھتے بیٹھتے میری کوڑھ مغزی اور جہالت کے قصے سب کو سنانا اپنا فرض سمجھتی تھیں اور میری اس سے دشمنی روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ ہر بات میں میرا اس کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا اور پھر تا دیر میرے اوپر اظہار افسوس ہوتا اور میرے مستقبل سے مایوسی کا اظہار کیا جاتا۔ ایسے موقعوں پر اس کے چہرے پر موجود تاثرات میرا خون کھولانے کو کافی ہوتے تھے۔

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ میرے اپنے ہی گھر میں میری حیثیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ کبھی کبھی میں سوچتی کہ کاش میں ممی کے ہاں ہی پیدا ہو جاتی۔ کم از کم میرے سگے ماں باپ سے تو وہی دونوں مجھے زیادہ پیار کر لیتے ہیں۔ میرے ماں باپ تو اس مقولے پر سختی سے عمل پیرا تھے کہ اولاد کو کھلاؤ سونے کا نوالہ مگر دیکھو شیر کی نگاہ سے مگر یہاں تو نوالہ بھی سونے کا نہ تھا۔

اس خبیث کو پتا نہیں کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ مجھے سبزیاں پسند نہیں ہیں۔ اس لیے روز صبح اسکول جاتے ہوئے کہتا۔

''دادی! آج پیاز کریلے پکائیے گا۔'' اور دادی پوتے کے منہ سے اپنی پسندیدہ ڈش کا نام سن کر خوشی سے نہال ہو جاتیں۔ خوب دل لگا کر اپنے ہاتھوں سے پیاز کریلے پکا کر رکھتیں۔ پتا نہیں ان کے ساتھ کیا کیا سلوک کرتیں کہ وہ خوب کڑوے پکتے۔ ''کریلے کڑوے ہی نہ ہوں تو وہ کریلے ہی کیا ہوئے۔'' اس بارے میں ان کا مقولہ تھا۔

کھانے کی میز پر بیٹھ کر میں دیکھتی تو کریلے میرا منہ چڑا رہے ہوتے۔

''میں نہیں کھاؤں گی یہ اتنے کڑوے کریلے۔'' میں منہ پھلا کر کہتی۔

''دیکھ رہی ہو صوفیہ! لڑکی کے لچھن۔'' دادی مما سے مخاطب ہوتیں اور مما کڑے تیوروں سے مجھے گھورنے لگتیں۔ میں چپ چاپ آنسو پیتے وہ کریلے حلق سے اتارنے لگتی۔ کبھی کبھار ایسے کسی موقع پر ممی کو میرے اوپر ترس آ جاتا تو وہ کہتیں۔

''آؤ تابی! میں تمہیں پراٹھا پکا دوں۔'' میرے کچھ کہنے سے پہلے دادی انہیں ٹوک دیتیں۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے اس کا دماغ خراب کرنے کی۔ پہلے ہی یہ بہت بدتمیز ہے۔ یہی وقت ہوتا ہے بچوں کی تربیت کا۔ ہم نہیں سکھائیں گے تو کون سکھائے گا۔'' گویا میری اچھی بری تمام تربیت کا انحصار میرے کریلے کھانے پر تھا۔

دراصل ایسے ہی کسی موقع پر میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ ''آپ خود بھی تو مرغی کا گوشت نہیں کھاتیں، یہ نخرے میں نے آپ سے ہی سیکھے ہیں۔'' بس اس دن سے دادی نے یہ بات پلو سے باندھ لی تھی کہ میں بہت بدتمیز، بے ہودہ اور بدلحاظ ہوں۔ چنانچہ میری تربیت کی جانب فوراً توجہ دینی چاہیے وگرنہ بعد میں پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا اور وہ جس نے فرمائش کر کے کریلے پکوائے ہوتے وہ بڑے آرام سے دو چار ہی نوالے لیتا۔ سب کی توجہ تو میری جانب ہوتی، کوئی اسے دیکھتا بھی نہیں۔

''یہ عمر بھی تو ہے، دیکھو کتنے آرام سے ہر چیز کھا لیتا ہے، تم کہیں کی نوابزادی ہو، لڑکیوں میں یہ نخرے بازی بالکل اچھی نہیں۔'' دادی مزید میرا دل جلاتیں اور وہ شیطانی مسکراہٹ چہرے پر سجائے چپ چاپ بیٹھا رہتا۔

دوپہر کے وقت گھر میں خواتین اور ہم بچے ہی ہوتے اسی لیے روزانہ اسی قسم کے عجوبے کھانے کو ملتے۔ کبھی آلو چھلی، کبھی کدو، کبھی ٹینڈے، کبھی کریلے۔ کیونکہ خواتین ساری سبزی خور تھیں اور مرد گوشت خور لہٰذا شام میں اچھا کھانا پکتا تو میں پیٹ بھر کر کھانا کھاتی مگر شکایت کس سے کرتی؟ یہاں تو سب ہی میرے دشمن تھے اور وہ ایڈیٹ دادی سے ان کے کریلوں کی خوب تعریفیں کر کے اپنے کمرے میں چلا جاتا اور پھر وہاں بیٹھ کر بروسٹ یا سینڈوچز وغیرہ جو اس نے پہلے سے لا کر رکھے ہوئے ہوتے تھے مجھے دکھا دکھا کر کھاتا۔

میرا اور اس کا کمرہ آمنے سامنے تھا۔ وہ اپنے کمرے کا دروازہ جان بوجھ کر کھول کر بیٹھ جاتا اور خوب مزے لے کر میری پسندیدہ چیزیں مجھے دکھا دکھا کر کھاتا اور میں اسے گالیاں دیتی رہ جاتی۔ مما تو میری پاکٹ منی کے بارے میں بھی مجھ سے اتنی سخت باز پرس کرتی تھیں کہ میں چاہتے ہوئے بھی اس کی طرح اپنے لیے ایسا کوئی انتظام نہیں کر سکتی تھی۔ اسے تو ڈیڈی کے علاوہ دادی بھی الگ سے پاکٹ منی دیتی تھیں۔ سوتیلی تو صرف میں ہی تھی۔

اس روز بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ میں اس کے فرمائشی پروگرام کے تحت آلو پھلی کھا کر کمرے میں پڑی جل رہی تھی۔ بھوک سے برا حال تھا۔ وہ اتنی بدذائقہ پھلیاں، وہ بھی کوئی کھانے کی چیز ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے گائے بھینسوں کا چارہ کھا لیا ہو۔

اسی وقت میری نظر سامنے پڑی۔ وہ بڑے سے سائز کا پیزا خوب منہ پھاڑ پھاڑ کر کھا رہا تھا۔ سائڈوں سے گرتی چیز (پنیر) دیکھ کر میرے منہ میں پانی بھر آیا۔ دو کین پیپسی کے سامنے رکھے، ایک نوالہ پیزے کا اور ایک سپ پیپسی کا وہ اردگرد سے بے نیاز نظر آنے کی مکمل کوشش کر رہا تھا۔

''بچو جی! آج تمہیں رنگے ہاتھوں نہ پکڑوایا تو میرا نام تاباں نہیں۔'' میں غصے میں کھولتی اور خود پر افسوس کرتی کہ اس کی یہ مکاری اتنے دنوں سے برداشت کر ہی کیوں رہی تھی اپنے کمرے سے نکلی اور تیزی سے سیڑھیاں اترتی مما کے کمرے میں پہنچ گئی۔ وہ سونے کے لیے لیٹ گئی تھیں۔

''کیا بات ہے؟'' انہوں نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

''جلدی سے آئیں، آپ کو آپ کے لاڈلے کی شرافت کا نظارہ کرانا ہے۔'' میں نے انہیں باقاعدہ ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تو وہ حیران سی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ انہیں لے کر جیسے ہی میں اس کے کمرے میں پہنچی تو اندر کا منظر دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی۔ وہ جائے نماز بچھائے، سر پر ٹوپی جمائے دعا مانگنے میں مصروف تھا۔

مما کبھی اسے دیکھتیں کبھی مجھے، جیسے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

''مما یہ مکاری کر رہا ہے، ابھی ابھی یہ یہاں بیٹھا ہوا پیزا کھا رہا تھا۔'' میں غصے سے پاگل ہونے لگی۔ وہ دعا مانگنے کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرتا اٹھ کھڑا ہوا اور جائے نماز لپیٹتے ہوئے بڑی معصومیت سے بولا۔

''کیا ہوا چھوٹی ممی! کیا بات ہے؟''

''مجھے خود نہیں معلوم، یہ تابی مجھے اٹھا کر لائی ہے۔'' مما کو شاید اب کچھ غصہ آنا شروع ہو گیا تھا اس لیے بڑی بے زاری سے بولیں۔

میں ان دونوں کی گفت وشنید سے بے نیاز فوراً آگے بڑھی اور بیڈ کے نیچے جھک کر دیکھا۔ اس کے بعد کمپیوٹر کی ٹیبل کے نیچے، پھر ڈسٹ بن کے اندر اور اس کے بعد اس کے وارڈ روب کا دروازہ کھولا ہی تھا کہ مما کی تیز چیخ سنائی دی۔

''کیا بدتمیزی ہے تابی! کیوں تم یہ فضول حرکتیں کر رہی ہو؟''

''میں فضول حرکتیں نہیں کر رہی ہوں، یہ ابھی مجھے جلا کر اور دکھا کر پیزا اور پیپسی کھا پی رہا تھا۔'' میں نے نفرت سے اس کی طرف اشارہ کیا۔

''ہونہہ، دادی آج آپ کے ہاتھ کی پکی آلو پھلی کھاؤں گا۔'' میں نے اس کے لہجے کی نقل اتاری۔ مما خاموش کھڑی مجھے گھور رہی تھیں۔

''آپ لوگ اسے بڑا معصوم سمجھتے ہیں ناں، مجھ سے پوچھیں یہ کتنا بڑا میسنا ہے۔'' میری آواز غم وغصے سے پھٹ پڑی۔

''ٹھیک کہتی ہیں تمہاری دادی، تمہاری تربیت میں ہم سے واقعی بہت کوتاہی ہوئی ہے۔ تمہیں تو بڑے چھوٹے سے بات کرنے کی تمیز بھی ختم ہو گئی ہے۔ آ لینے دو آج اپنے پاپا کو، تمہاری شکایت کروں گی۔'' مما نے پاپا کا ڈراوا دیا جو کارگر ثابت ہوا اور میرا سارا جوش اور غصہ فوراً سرد پڑ گیا۔

مما اب اس سے مخاطب تھیں۔

''عمر! تم اس کی اوٹ پٹانگ باتوں پر توجہ مت دینا۔ بالکل ہی بے ہودہ ہوگئی ہے یہ اور تم اب کچھ دیر آرام بھی کرلو۔ رات کو اتنی دیر تک جاگ کر پڑھتے رہتے ہو۔ تھوڑا بہت ریسٹ بھی ضروری ہوتا ہے۔'' بڑے پیار سے اس کا سر تھپتھپاتے مما کمرے سے چلی گئیں۔

اور وہ دنیا زمانے کی خباثت چہرے پر سجائے بالکونی کی طرف کھلنے والا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور پیزا کی پلیٹ اور پیپسی اٹھا کر واپس اندر آیا تو میں مما کو آواز دیتی دیتی رہ گئی۔ کیا فائدہ وہ پھر مجھے ہی جھوٹا ٹھہرائیں گی۔

''آؤ تم بھی تھوڑا سا چکھ لو۔'' دوبارہ بستر پر بیٹھ کر کھانے میں مصروف ہوتے ہوئے اس نے مجھے بھی کھانے کی آفر کی تو میں اس کی بات کا کوئی جواب دیئے بغیر اپنے کمرے میں واپس آگئی اور خوب روئی۔ ایک تو بھوک لگ رہی تھی اوپر سے مما کے سامنے جھوٹی پڑی تھی۔ شام میں وہ میرے کمرے میں کھڑا تھا، میں اسے نظر انداز کیے اپنا ہوم ورک کرتی رہی۔

''تابی! میری یہ ڈائیگرام بنادو۔'' بڑے ہی دوستانہ لہجے میں مجھے مخاطب کیا گیا۔

''کبھی نہیں عمر! تم دفع ہو جاؤ یہاں سے کمینے۔'' میں نے دانت پیسے۔ دادی کے بہت مرتبہ ٹوکنے پر بھی میں اسے بھیا، بھائی جان یا بھائی وغیرہ نہیں کہتی تھی۔ یہ ہے اس قابل کہ اسے اتنے قابلِ احترام ناموں سے پکارا جائے؟

''سوچ لو ویسے آج تم میتھس کے پیریڈ میں کھڑی ہوئی کیوں تھیں؟'' اس کے لہجے میں موجود دھمکی نے میرا اشتعال لمحوں میں ختم کردیا۔ آج ٹیسٹ خراب ہونے پر ٹیچر نے مجھے سارے پیریڈ کھڑا رکھا تھا اور اس خبیث نے یہ نظارہ پتا نہیں کیسے دیکھ لیا تھا۔

''لاؤ دو۔'' میں نے فوراً پسپائی اختیار کی۔ اس نے جلدی سے اپنا فزکس کا جرنل میرے ہاتھ میں پکڑایا اور بولا۔

''مجھے معلوم تھا، تم کبھی بھی انکار نہیں کروگی۔'' بڑی دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا گیا تھا جیسے ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھے دھمکی تو دی ہی نہیں۔ میری دل چاہا کہ میں اس کا سر پھاڑ دوں۔

''اچھا دیکھو، میں کرکٹ کھیلنے جا رہا ہوں، ڈائیگرام بن جائے تو جرنل میری رائٹنگ ٹیبل پر رکھ دینا۔'' بڑی بے نیازی سے کہہ کر وہ چل دیا اور میں اسے دل ہی دل میں گالیاں دیتی اس کے جرنل پر ڈائیگرام بنانے لگی۔

اگلے روز مما ہم دونوں کو حسبِ عادت شام کو پڑھانے بیٹھیں تو عمر کا فزکس کا جرنل دیکھ کر باقاعدہ اچھل پڑیں اور بولیں۔

''واؤ! عمر یہ اتنی زبردست ڈائیگرام تم نے بنائی ہے۔ مجھے تو یقین نہیں آرہا میں تو یہ سمجھتی تھی کہ ڈرائنگ کے علاوہ تم ہر سبجیکٹ میں ماسٹر ہو مگر تم نے تو کمال کردیا۔'' مما کی خوشی دیدنی تھی اور وہ بڑی انکساری اور عاجزی سے سر جھکا کر بولا۔

''بس چھوٹی ممی! میں نے سوچا کہ بہت اچھی نہ سہی تب بھی تھوڑی بہت کوشش کر کے میں اپنی ڈرائنگ امپروو کرہی سکتا ہوں۔''

''یہ تھوڑی بہت کوشش نہیں ہے عمر! تم تو بڑے چھپے رستم نکلے بھئی۔ یہ تو ایسا لگ رہا ہے کہ کسی بہت ہی آرٹسٹک قسم کے ہاتھوں کا کرشمہ ہے۔'' مما نے اسے دل کھول کر داد دی اور میں دل ہی دل میں کھولتی چپ بیٹھی تھی۔

ایک بار دل چاہا کہ ابھی اس کا بھانڈا پھوڑ دوں مگر پھر فوراً ہی اس بلیک میلر کی دھمکی یاد آئی تو دل مسوس کر رہ گئی۔

''کچھ تم بھی سبق سیکھو عمر سے، تم سے صرف چار سال بڑا ہے مگر اس کی ذہانت اور مینٹل لیول تم سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اپنی خامی کو اس نے کمزوری نہیں بنایا اور کوشش کر کے کتنا امپروو کر لیا اور ایک تم ہو۔ مما مجھے میتھس اچھا نہیں لگتا، مما میں سائنس نہیں پڑھوں گی۔ یہ نہیں ہوا کہ کبھی اپنی کمزوری کو دور کرنے کی کوشش کی ہو۔'' اس خبیث کی تعریف ہو اور مما مجھے پھٹکارنا بھول جائیں ایسا تو تاریخ میں کبھی نہیں ہوا۔

اپنے ساتھ ہونے والی اس زیادتی پر میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں چیخ چیخ کر احتجاج کروں۔ میرے ڈرائنگ میں ''A'' آتے تو وہ میرے لیے بہت بڑا طعنہ بن جاتا اور اس نے اگر اچھی ڈرائنگ بنا لی (جو کہ اس نے بنائی بھی نہیں تھی) تو واہ واہ۔ میرے اندر کے آرٹسٹ کو تو مما کے طنز اور طعنے ہی کھا گئے تھے ورنہ مجھے پورا یقین تھا کہ ایک دن میں بہت ہی بڑی مصورہ بن سکتی تھی مگر افسوس!

وہ بظاہر سر جھکائے معصومیت سے بیٹھا تھا اور میں غم و غصے سے بے حال ہو رہی تھی پھر ایسی کتنی ہی دھمکیاں دے کر اس نے اپنے فزکس کے پورے جرنل پر مجھ سے ڈائیگرامز بنوائی تھیں اور ہر بار میری کوئی نہ کوئی کمزوری اس کے ہاتھ ہوتی تھی۔ میری نالائقی سے تو مما واقف تھیں مگر یہ میں نہیں چاہتی تھی کہ انہیں پتا چلے کہ میں روزانہ بلا ناغہ میتھس اور سائنس کے پیریڈ میں بطور سزا کھڑی کی جاتی ہوں، اس لیے خاموشی ہی میں عافیت جانی اور اس کے ہاتھوں بلیک میل ہوتی رہی۔ پھر اس بلیک میلنگ سے نجات اس وقت ملی جب وہ میٹرک کر کے اسکول سے دفع ہوا۔

اس کا میٹرک کرنا بھی ایک دل جلانے والا واقعہ ہے۔ میٹرک میں اس نے کراچی بورڈ میں تیسری پوزیشن لی تھی اور باقاعدہ اس کی اخبار میں تصویر چھپی تھی اور انٹرویو بھی۔ مجھے اب اس کی کامیابیوں پر کوئی خوشی نہیں ہوتی تھی اس لیے میں نے اسے جھوٹے منہ بھی مبارکباد نہیں دی تھی۔ رشتے دار، دوست احباب سب کا ہمارے گھر تانتا بندھ گیا تھا۔ کوئی مٹھائی، کوئی ہار اور کوئی تحفہ اٹھائے چلا آ رہا تھا اور وہ سب کی مبارکباد کے جواب میں بڑی بے نیازی کے ساتھ کہتا۔

''شکریہ، ویسے میں کچھ زیادہ خوش نہیں، اصل خوشی تو اس وقت ہوتی جب میں پورے سندھ میں پہلی پوزیشن لیتا، خیر اگلی بار سہی اور تمام لوگ اس کے بلند حوصلے اور اونچے ارادوں کی تعریفیں کرنے لگتے جبکہ میں دل ہی دل میں جل کر رہ جاتی۔

''اللہ کرے انٹر میں تمہارا ''D'' گریڈ آئے پھر گردن اکڑانا۔'' میں اسے بددعائیں دیتی۔

دادی اور گھر کے دیگر افراد کی نظروں میں اس واقعے کے بعد وہ اور بھی معتبر ہو گیا تھا۔ اس موقع پر بھی مما اور دادی مجھ پر طنز کرنا نہ بھولی تھیں اور خوب میرا دل جلایا تھا۔

مجھ سے اچھی تو مریم ہی تھی۔ اس کی جان ایسی کسی بھی مقابلہ بازی سے بچی ہوئی تھی۔ مریم مجھ سے سات سال چھوٹی تھی اور یہ اس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ وہ میرے سات سال بعد اس دنیا میں آئی اور عمر نامی بلا کے چنگل سے بچ گئی۔ وہ گھر بھر کی لاڈلی تھی، سب سے چھوٹی۔ ہر کوئی اسے پیار کرتا عمر سمیت۔ وہ عمر سے اتنی چھوٹی تھی کہ مما یا دادی کبھی اس کا عمر کے ساتھ مقابلہ کر ہی نہیں سکتی تھیں۔ بدنصیب تو میں تھی جس کی نہ کوئی قدر تھی نہ وقعت۔

نائنتھ کلاس میں پہنچی تو مما مجھے زبردستی سائنس دلوانے لگیں۔

''مما! میں سائنس نہیں پڑھوں گی۔ مجھے آگے جا کر فائن آرٹس پڑھنا ہے اس لیے آپ مجھے آرٹس لینے دیں۔'' میں نے دل کڑا کر کے مما کی مخالفت کی تو وہ صدمے سے پاگل ہونے لگیں۔

''میری بیٹی آرٹس پڑھے گی میری۔'' وہ یوں بول رہی تھیں جیسے میں نے کوئی بہت گھٹیا، خراب بات کر دی ہے۔

''کرو گی کیا تم آرٹس پڑھ کر، بی اے کرنے سے بہتر ہے کہ بندہ پڑھائی کرے ہی نہ۔ سارے جگ کے نکمے اور نالائق لوگ آرٹس پڑھتے ہیں، کچھ پتا ہے تمہیں۔''

مما ایم ایس سی گولڈ میڈلسٹ تھیں اور ان کا خیال تھا کہ صرف سائنس پڑھنے والے لوگ ہی قابل اور ذہین ہوتے ہیں۔ میں اس وقت اتنی چھوٹی تھی کہ ان سے بحث بھی نہیں کر سکتی تھی ورنہ ضرور پوچھتی یہ جو آپ اپنی گفتگو کے دوران شیکسپیئر، برنارڈ شا، شیلے اور کیٹس کے حوالے وقتاً فوقتاً دیا کرتی ہیں ان سب میں سے ذرا بتائیں کہ سائنسدان کون تھا۔ بندے کی اپنی دلچسپی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ کسی کی قابلیت جانچنے کا یہ کوئی معیار نہیں کہ بندہ لازمی سائنس پڑھا ہوا ہو۔ مما کے ان ہی خیالات کی وجہ سے خاندان کی کتنی ہی لڑکیاں جو ایف اے، بی اے کر رہی تھیں مما سے ناراض تھیں مگر وہ مما ہی کیا جو کسی کی پرواہ کر لیں۔

''بس میں کچھ نہیں جانتی، تمہیں سائنس پڑھنی ہے اور اب اس موضوع پر کوئی بحث نہیں ہونی چاہیے، غضب خدا کا لوگ کیا کہیں گے کہ ہماری بیٹی اتنی ڈفر اور کند ذہن ہے۔'' مما نے بات ختم کرنے والے انداز میں کہا تو کچھ ہی فاصلے پر بیٹھے عمر نے بھی ٹانگ اڑانا اپنا فرض سمجھا اور بڑے طنزیہ انداز میں میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''چھوٹی ممی! اسے چراغ تلے اندھیرا کہتے ہیں۔''

''تم تو چپ بیٹھو خبیث۔'' پورا جملہ با آواز بلند اور خبیث منہ ہی منہ میں بول کر میں نے اسے گھورا تو دادی حسب عادت میدان میں کود پڑیں۔

''کچھ تمیز ہے بڑے بھائی سے بات کرنے کی یا نہیں۔ نہ تعلیم میں اچھی نہ اخلاق و آداب میں۔ ارے صوفیہ! میں سوچتی ہوں اس لڑکی کا بنے گا کیا، اگلے گھر جا کر تو یہ ناک ہی کٹوا دے گی۔'' ناک کے اوپر عینک جماتی دادی مجھے گھور رہی تھیں۔

میں پیر پٹختی وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی۔ پھر وہی ہوا جو اس سے پہلے میرے ساتھ ہوتا آیا تھا۔ فزکس، کیمسٹری میتھ پڑھتے ہوئے میں روہانسی ہو جاتی مگر مما کا دل نہ پسیجتا۔

مڈٹرم میں میرے فزکس میں تو بمشکل پاسنگ مارکس آئے اور میتھس میں تو خوب شاندار طریقے سے فیل ہو گئی۔ مما نے گھر میں طوفان اٹھا دیا۔ مجھے تو جتنا برا بھلا کہہ سکتی تھیں کہا۔ میں نے ان کی ڈانٹ کی کچھ خاص پرواہ بھی نہیں کی کہ ان کی ڈانٹ کھا کھا کر اب میں خاصی ڈھیٹ ہو گئی تھی مگر ڈانٹ پھٹکار کے اختتام پر مما نے جو فیصلہ صادر فرمایا وہ میرے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھا۔

''تمہارے ٹیوٹر کو میں آج سے فارغ کر رہی ہوں، کل سے تمہیں فزکس اور میتھس عمر پڑھائے گا۔ اب دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' مما نے

میرے احتجاج کے لیے کھلتے لبوں کو نظر انداز کر کے مجھے باہر نکل جانے کا حکم سنایا تو میں مرے مرے قدموں سے چلتی اپنے کمرے میں آ گئی۔

مما کے دوٹوک انداز کے سامنے تو پاپا پر نہیں مار سکتے تھے، مجھ غریب کی کیا مجال۔ سوچپ چاپ مان جانے میں عافیت سمجھی۔

''تین بجے آ جانا اسٹڈی میں، وہیں پڑھاؤں گا تمہیں۔'' عمر نے اگلے روز ناشتے کی میز پر مجھ سے کہا تو میں اس کی کمینگی پر کھول کر رہ گئی۔ اسے معلوم تھا کہ میں دوپہر میں کتنی پابندی سے سوتی ہوں اس لیے جان بوجھ کر اس نے وہی ٹائم رکھا تھا۔

''عمر! ہم شام میں نہیں پڑھ سکتے؟'' میں نے غصہ دباتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''شام میں میں فارغ نہیں ہوتا اگر پڑھنا ہے تو دوپہر ہی میں پڑھاؤں گا ورنہ جو دل چاہے کرو۔'' وہ بڑے بے مروت انداز میں بولا تو میں نے نرمی کا چولا اتار پھینکا اور اپنے مخصوص منہ پھٹ انداز میں بولی۔

''بھاڑ میں جاؤ، یہاں تم سے پڑھنے کے لیے کون مر رہا ہے۔''

''تابی! کیا بدتمیزی ہے۔ تمہیں بات کرنے کی تمیز آخر کب آئے گی۔'' مما نے مجھے سب کے سامنے حسب عادت ڈانٹا تو میں بے اختیار رو پڑی اور بولی۔

''ہاں میں ہی بدتمیز ہوں یہ بڑا تمیز دار اور اچھا ہے۔ جان کر دوپہر کا ٹائم رکھا ہے تاکہ میں سو نہ سکوں اور خود نواب صاحب شام میں بڑے مصروف ہوتے ہیں، اپنے آوارہ دوستوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنے میں۔'' اپنے دوستوں کے لیے لفظ آوارہ پر وہ تڑپ اٹھا مگر اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی دادی اس کی حمایت میں مجھ پر الٹ پڑیں۔

''پہلے اس جیسی بن کر دکھاؤ پھر اس کا مقابلہ کرنا، دوپہر میں سونا بہت ضروری ہے۔ اپنے مستقبل کی کچھ فکر نہیں۔ ارے میرے عمر جیسا سارے خاندان میں ایک بھی ڈھونڈ کر دکھاؤ تو میں جانوں، ایسا گنوں والا میرا بچہ ہے۔ تم سے صرف چار سال بڑا ہے مگر پڑھائی میں پانچ کلاسیں آگے ہے۔ اخلاق اور تمیز میں بھی تم سے بہتر ہے۔''

پتا نہیں دادی کو مجھ سے کون سی خاندانی دشمنی تھی، کبھی کبھی تو مجھے لگتا، میں شاید ان کی سگی پوتی ہی نہیں ہوں۔ پاپا اور ڈیڈی تو اس جھگڑے کے شروع ہونے سے پہلے ہی آفس جا چکے تھے ورنہ ڈیڈی ضرور میری حمایت میں بولتے۔ وہ عمر کی بے جا حمایت کرنے پر اکثر دادی کی مخالفت کرتے تھے۔ اسی لیے سارے گھر میں وہی مجھے سب سے اچھے اور سلجھے ہوئے انسان لگتے تھے۔

ممی بھی مجھ سے پیار کرتی تھیں مگر دادی کے مقابل ڈٹ جانے کی ان کی مجال نہ تھی۔ دادی تو ہمارے گھر کی ہٹلر تھیں۔ یہاں ان ہی کی ڈکٹیٹر شپ چلتی تھی اور ہم عوام کے لیے زبان بندی کا حکم تھا۔ دادی کے ہاتھوں میری عزت افزائی پر وہ بڑا خوش اور مسرور دکھائی دے رہا تھا اور میں چپ چاپ اپنے آنسو صاف کر رہی تھی۔ دوپہر میں تین بجے اسٹڈی کی طرف جاتے ہوئے میں سوچ رہی تھی۔ خوامخواہ اپنی بے عزتی کروائی، ہوا تو وہی جو اس نے چاہا تھا۔ آخر مجھے یہ بات کب سمجھ میں آئے گی کہ اس گھر میں میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔

''آپی! آپ رو رہی ہیں۔'' کوریڈور میں بیٹھی گڑیا سے کھیلتی مریم نے مجھے آنسو صاف کرتے دیکھ کر پوچھا تو میں بغیر کوئی جواب دیے

آگے بڑھ گئی۔

''کاش مریم مجھ سے اتنی چھوٹی نہ ہوتی تو میں اسی سے اپنا دکھ سکھ کہہ لیا کرتی۔'' میں نے اسٹڈی میں قدم رکھتے ہوئے سوچا۔ وہ پہلے سے وہاں موجود کمپیوٹر پر گیم کھیل رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اٹھا اور ٹیبل کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ میں بھی اس کے مقابل کرسی سنبھال کر بیٹھ گئی۔ پندرہ بیس منٹ وہ مجھے میتھس سمجھاتا رہا اور پھر یہ کہتا ہوا کھڑا ہو گیا کہ۔

''اب ایک ایک کر کے اس ایکسر سائز کے سارے سوال حل کرو۔'' اور خود دوبارہ گیم کھیلنے لگا۔

بہت دیر تک کوشش کرنے کے باوجود بھی مجھ سے ایک سوال بھی حل نہ ہو سکا تو میں روہانسی آواز میں بولی۔

''عمر! مجھ سے نہیں ہو رہا۔''

''کیوں نہیں ہو رہا، ابھی اتنی اچھی طرح تو میں نے سمجھائے ہیں۔'' وہ جھنجھلاتی ہوئی آواز سمیت میری طرف گھوما اور مجھے گھورتا ہوا کمپیوٹر کے سامنے سے اٹھ آیا ''تم مجھے کھیلنے نہیں دو گی، بکو کیا تکلیف ہے؟'' اس وقت کیونکہ اسی کے رحم و کرم پر تھی اس لیے کچھ کہہ بھی نہ سکی کہ

''کھیلو مرو میرے اوپر احسان کرنے کی کیا ضرورت ہے۔'' پتا تھا شکایتی ٹٹو بعد میں مما اور دادی کو ایک کی دس لگا کر سنائے گا اور جواباً میری عزت افزائی ہو گی اس لیے منت بھرے انداز میں بولی۔

''میرے بالکل سمجھ میں نہیں آ رہا۔ پلیز ایک دفعہ پھر سمجھا دو۔'' میرے منت بھرے انداز پر وہ مجھ پر ترس کھاتا ہوا مجھے پھر سمجھانے بیٹھ گیا اور بولا۔

''تم میرے سامنے حل کرو، جہاں غلط کرو گی میں ٹوک دوں گا۔'' میں نے اللہ کا نام لے کر سوال کرنا شروع کیا تو وہ چیخ اٹھا۔

''موٹو! تمہیں تو LCM لینا بھی نہیں آتا۔ اوہ مائی گڈنیس۔'' سب کے سامنے تابی اور اکیلے میں وہ اکثر مجھے موٹو کہہ کر مخاطب کرتا جس کی میں ہرگز بھی پرواہ نہیں کرتی تھی کہ ایک مرتبہ اس کی شکایت کرنے پر ممی نے مجھے سمجھایا تھا کہ

''میری بیٹی کوئی موٹی ووٹی نہیں، بس ذرا بھرے جسم کی ہے اور وہ سوکھا سڑا ہے اس لیے تم سے جلتا ہے۔'' بس اس دن سے میں مطمئن ہو گئی تھی۔

رات میں مما نے اس سے میری پروگریس پوچھی تو وہ بڑے مایوس کن انداز میں بولا ''چھوٹی مما! بہتر تھا آپ اسے آرٹس ہی پڑھنے دیتیں، گو میتھ تو وہاں بھی پڑھنا ہو گا مگر آرٹس اتنا مشکل نہیں ہوتا۔'' پھر وہ دونوں تا دیر میرے غم میں گھلتے رہے اور میں کھولتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی۔

پھر بڑی پابندی کے ساتھ وہ بغیر کوئی ناغہ کیے مجھے پڑھانے لگا۔ تین سے پانچ پڑھا کر خود کرکٹ کھیلنے کلب چلا جاتا جبکہ میری چھٹی چھ بجے ہوتی تھی۔ پانچ سے چھ مجھے فزکس یاد کرنی ہوتی تھی۔ پندرہ بیس منٹ میں مجھے سمجھا کر فارغ کر کے وہ کبھی واک مین کان سے لگائے فلور کشن پر نیم دراز ہو جاتا، کبھی کمپیوٹر پر گیم کھیلتا رہتا۔ وہ ان دنوں ایم ایس سی کے پہلے سمسٹر میں تھا اور میں میتھ سے پنجہ آزمائی کر رہی تھی۔ کبھی کبھار

مجھے کام دے کر وہ خود بھی اپنا پڑھنے لگتا۔ میرے امتحانوں میں تین مہینے رہ گئے تھے اسی لیے میرے اوپر ہر تفریح حرام قرار دے دی گئی تھی۔ دن بھر میں صرف ایک گھنٹہ ٹی وی دیکھنے کی اجازت تھی۔

اس رات بھی میں پڑھتے پڑھتے تھک گئی تو اٹھ کر لاؤنج میں آ گئی۔ سب لوگ سو چکے تھے، عمر کے کمرے کی لائٹ بھی آف ہو چکی تھی۔ میں لاؤنج کی تمام کھڑکیاں اور دروازے احتیاطاً بند کر دیئے اور ہلکی آواز میں ٹی وی چلا کر بیٹھ گئی۔ سونی پر جوہی چاولہ اور عامر خان کی ''قیامت سے قیامت تک'' آ رہی تھی۔ بڑے دنوں کے بعد آنکھوں کو کچھ ڈھنگ کی چیز دیکھنے کو ملی تو موڈ فریش ہو گیا۔ خوب آرام سے پوری فلم دیکھ کر سوئی تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ منحوس عمر مجھے فلم دیکھتے دیکھ چکا ہے۔ مما تو عام حالات میں انڈین فلم دیکھنے کی اجازت نہ دیتی تھیں کہاں کہ امتحانوں سے تین مہینے پہلے۔ چنانچہ اگلے روز اس چغل خور کی وجہ سے مما نے مجھے کمرے میں بلا کر بے نقط سنائی۔ شکر تھا کہ کمرے میں کوئی اور نہ تھا ورنہ مما نے اس دن کوئی لحاظ روا نہ رکھا تھا۔ ان کے خیال سے میں اتنی بگڑ چکی تھی کہ اب میری اصلاح ممکن ہی نہ تھی پھر اس تمام ڈانٹ پھٹکار کا اختتام اس جملے پر ہوا کہ اب میرا وہ ایک گھنٹہ TV دیکھنا بھی بند کر دیا گیا ہے۔

''چلو جی چھٹی ہوئی یہ تو الٹی آنتیں گلے پڑنی والی بات ہوئی'' اب کسی بحث و تکرار کی گنجائش نہ تھی چنانچہ اتری ہوئی شکل کے ساتھ کمرے سے باہر نکلی تو وہ سامنے کھڑا خباثت سے مسکرا رہا تھا۔

''کیا ہوا؟ چھوٹی مما سے ڈانٹ کھا کر آ رہی ہو۔ ویسے اب تک تو تمہیں عادی ہو جانا چاہیے تھا۔ آخر بچپن سے ڈانٹ کھانے کی پریکٹس ہے تمہیں۔'' وہ طنز کے نشتر چلا رہا تھا اور میں انتقامی جذبات دل میں لیے اسے کوئی جواب دیئے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ پھر اپنی اس تازہ ترین بے عزتی اور ٹی وی دیکھنے سے محرومی کا بدلہ لینے کا موقع مجھے صرف تین دن بعد ہی میسر آ گیا۔

اس روز عمر نے دوپہر میں مجھے پڑھنے کی چھٹی دے دی جس پر مجھے کافی حیرت ہوئی کہ اتنے دنوں میں اس نے کبھی ایک دن بھی چھٹی نہ دی تھی۔ میں پانی پینے کچن میں آئی تو نوری بڑی پھرتی سے ٹرے میں سموسے، کباب، کیک اور چائے کے کپ رکھ رہی تھی۔

''کوئی مہمان آیا ہے کیا؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''جی باجی جی! عمر بھائی کے دوست آئے ہیں جی۔ انہوں نے کہا تھا کہ چائے اور کھانے پینے کی چیزیں لے کر ان کو کمرے میں پہنچا دوں۔'' اس نے اسی مصروفیت کے عالم میں جواب دیا تو میرا ماتھا ٹھنکا۔

''لاؤ یہ چائے مجھے دو، میں دے آؤں گی۔'' میں نے ٹرے اٹھا لی۔

''باجی جی! انہوں نے کہا تھا دروازہ بجا کر باہر سے ہی ٹرے پکڑا دینا۔'' نوری نے ڈرتے ڈرتے مجھ سے کہا تو میں سر ہلا کر زینہ چڑھ گئی۔

آخر یہ لوگ کمرے میں بند ہو کر کیا کر رہے ہیں۔ کوئی مانے نہ مانے مگر مجھے تو عمر کے سارے دوست ایک نمبر کے لفنگے اور بدمعاش لگتے تھے۔ گھر میں اس بارے میں سب کا خیال میرے خیال سے قطعاً مختلف تھا۔ دروازہ پر دستک دیئے بغیر میں نے ایک دم انٹری دی تو اندر عجیب سی افراتفری پھیل گئی مگر میں بھی ایک کائیاں، ایک نظر میں اندر کا سارا جائزہ لے ڈالا۔

عمر اور جاوید (جس کے لمبے سلکی بالوں سے میں ہمیشہ جیلس رہتی تھی) کارپٹ پر فلور کشن پر اوندھے پڑے سگریٹ پی رہے تھے۔ جبکہ احمد اور سہیل بیڈ پر دراز سگریٹ پی رہے تھے۔ پورے کمرے میں دھواں پھیلا ہوا تھا۔ سامنے ٹی وی پر Zee لگا ہوا تھا جس پر بیوٹی کانٹسٹ کی لائیو ٹیلی کاسٹ ہو رہی تھی۔ مختلف ممالک کی حسینائیں اپنا لباس فاخرہ لہراتی ادھر سے ادھر مٹکتی پھر رہی تھیں۔ ویسے ان کپڑوں کے لیے ''لباس'' خاصا غیر موزوں لفظ تھا۔ جاوید بوکھلا کر اپنے شانوں پر جھولتے بال سمیٹ کر ریموٹ سے چینل چینج کرنے لگا۔ احمد اور سہیل نے سگریٹیں ایش ٹرے میں مسل دیں۔ عمر ایک لمحے کو تو بوکھلا گیا تھا مگر اگلے پل دانت پیستے ہوئے غرا کر بولا۔

''کیوں آئی ہو تم؟'' میں نے اس کا لہجہ نظرانداز کیا اور ٹرے وہیں کارپٹ پر رکھ کر بولی۔

''تم لوگوں کے لیے چائے لے کر آئی ہوں۔'' اور پھر بڑے اطمینان سے کمرے سے باہر نکل آئی۔ اپنے کمرے میں لیٹ کر مجھے خوب ہنسی آ رہی تھی۔ کیسے سب کے سب ایک دم بوکھلا گئے تھے۔ میری مداخلت سے ان لوگوں کا پروگرام تو چوپٹ ہو گیا تھا اور مجھے بہت مزہ آ رہا تھا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ میں عمر کو زچ کرنے میں کامیاب ہوئی تھی اور یہ کامیابی کوئی چھوٹی موٹی کامیابی نہ تھی۔ اب جب میں اس کی اصلیت سب کو بتاؤں گی تو اس کی حالت کیا ہو گی۔ میں چشم تصور سے وہ خوشگوار اور روح پرور نظارا دیکھ رہی تھی۔ شام میں ڈیڈی کو میں نے آفس سے آتے ہی پورچ میں روک لیا اور عمر کے آج کے کرتوت کے بارے میں بتایا تو اس کی اسموکنگ کا سن کر انہیں کافی سے زیادہ غصہ آ رہا تھا۔ ان کا ارادہ اسے شاید اکیلے میں سرزنش کرنے کا ہو گا مگر میں ان کے ساتھ چلتی ان کے بیڈ روم تک گئی اور انہیں اس بات پر آمادہ کر کے ہی چھوڑا کہ وہ سب کے سامنے اسے ڈانٹیں گے۔ عمر تو اپنے لفنگوں کے ساتھ اسی وقت کہیں چلا گیا تھا۔ رات کے کھانے پر اس کی واپسی ہوئی۔ میں نے ڈیڈی کو آنکھوں آنکھوں میں اشارہ کیا تو میری بے تابی پر وہ ہنس پڑے۔ ہماری ایک دوسرے سے پیدائشی دشمنی گھر میں کسی سے ڈھکی چھپی بات تو نہیں تھی۔

پھر انہوں نے میری حسب خواہش عمر کو خوب کھری کھری سنائیں۔ اسے سگریٹ نوشی اور اس کے مضر اثرات پر سیر حاصل لیکچر دیا مگر بیوٹی کانٹسٹ دیکھنے والی بات انہوں نے دانستہ نظرانداز کر دی یا واقعی بھول گئے تو میں ان کو یاد دلانے کے لیے بولی۔

''پتا ہے ڈیڈی! یہ خوب گھور گھور کر ایشوریا کو دیکھ رہا تھا اور پتا ہے اس نے کیا پہنا ہوا تھا۔'' میں جوش میں بولتی شاید پٹڑی سے اترنے لگی تھی جب مما کی تنبیہی آواز میرے کانوں میں پڑی۔

''تابی! خاموشی سے کھانا کھاؤ۔'' میں نے مما کی طرف دیکھا وہ میری بے وقوفی اور بے عقلی پر شدید تاؤ کھا رہی تھیں۔ میں فوراً لب بھینچ کر چپ ہو گئی۔ عمر جو خاموشی سے سر جھکائے ڈیڈی کی تمام پھٹکار سن تار رہا تھا۔ ابھی بھی ویسے ہی بیٹھا ہوا تھا اور دادی کہاں برداشت کر سکتی تھیں کہ کوئی ان کے لاڈلے کی طرف میلی نظر سے دیکھے بھی۔ چنانچہ اور تو کوئی ہاتھ لگا نہیں میں ہی نظر آ گئی۔ دنیا کا دستور یہی ہے کہ کمزور کو ہر کوئی دباتا ہے اور دادی کا تو میں سب سے کمزور اور آسان ٹارگٹ تھی اس لیے انہوں نے بات کا رخ میری طرف موڑ دیا اور بڑے غصے میں بولیں۔

''تم وہاں عمر کے دوستوں میں کرنے کیا گئی تھیں؟ اتنی بڑی ہو گئی ہو، ذرا عقل نہیں۔ یوں غیر لڑکوں میں جا کر گھسنا کوئی اچھی بات ہے۔''

مگر ان کے لاڈلے کا دل شاید بہت بری طرح ٹوٹ چکا تھا اسی لیے دادی کی تمام گفتگو پر وہ بغیر کوئی دھیان دیے چپ چاپ کھانا ختم کر کے اٹھ گیا

اور خاموشی سے سیڑھیاں چڑھ گیا۔

دادی کا صدمے کے مارے برا حال تھا، کوئی ان کے عزیز از جان عمر کو تکلیف دے یا دکھ پہنچائے اسے تو وہ قبر میں بھی چین نہ لینے دیں۔ بڑی خار بھری نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر ڈیڈی سے مخاطب ہوئیں۔

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا ہے عثمان! اس کے ساتھ۔ ارے ایسا اس نے کیا کر دیا جو یوں اس کو ڈانٹا ڈپٹا جائے۔ اس کی عمر کے لڑکے ابھی تک انٹر اور بی کام میں اٹکے بیٹھے ہیں اور وہ اتنی چھوٹی عمر میں ایم ایس سی تک پہنچ گیا۔ آج کل کے تو ذرا ذرا سے چھوکرے سگریٹ پھونکتے پھرتے ہیں۔ وہ اب اتنا چھوٹا بھی نہیں ہے۔ کیا ہو گیا اگر وہ دوستوں کے ساتھ تھوڑی سی تفریح کر رہا تھا۔'' دادی کی اس اقرباء پروری پر میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ کبھی ایسے پھول میرے لیے نہیں جھڑے منہ سے۔ کبھی مما سے یہ نہیں کہا کہ

''اس کی عمر کی لڑکیاں صبح شام ڈش دیکھتی ہیں اسے بھی انڈین فلمیں دیکھنے دو۔'' بلکہ ہمیشہ مما کو میرے خلاف اکساتی ہیں ورنہ مما اتنی بری نہیں ہیں۔

''پھر بھی اماں! اسموکنگ کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ کسی بھی ایج کے آدمی کے لیے اچھی نہیں ہے۔'' ڈیڈی نے دادی کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تو وہ بغیر کوئی جواب دیے منہ بناتی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

دادی کی عمر کے لیے بے جا حمایت پر وقتی طور پر میرا موڈ خراب ہوا مگر رات جب میں سونے لیٹی تو میں نے سوچا کہ میرا مقصد تو پورا ہو ہی گیا۔ اسے ذلیل کروا کر اور ڈانٹ پڑوا کر مجھے اس رات بڑی چین کی نیند آئی۔

اگلے روز اسٹڈی کی طرف جاتے ہوئے میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی بھوکا شیر بے چینی سے بیٹھا میرا انتظار کر رہا ہے اور ابھی مجھے چیر پھاڑ کر رکھ دے گا۔ پتا تھا وہ اتنی آسانی سے مجھے معاف کرنے والا تو ہے نہیں اسی لیے بہت ڈر لگ رہا تھا مگر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے کل کی کسی بھی بات کا کوئی حوالہ دیے بغیر مجھے پڑھانا شروع کر دیا۔ ٹریگنو میٹری کے بنیادی اصول سمجھاتا وہ یوں لگ رہا تھا جیسے کل کچھ ہوا ہی نہیں۔ بڑے پیار سے اور پرشفقت انداز میں جو کہ اس کا خاصا ہرگز نہ تھا مجھے فارمولے یاد کروا رہا تھا۔ میں اس کی عظمت اور اعلیٰ ظرفی کی دل ہی دل میں معترف ہو گئی۔

''تمہارے ہاں ناخنوں کی چیکنگ نہیں ہوتی؟'' پڑھاتے ہوئے اچانک اس نے مجھ سے ایک غیر متعلقہ سوال کیا تو ایک لمحے کو میں حیران ہوئی پھر اپنے لمبے اور خوبصورت فائل ہوئے ناخنوں کو دیکھ کر بولی۔

''ارے بڑی زبردست چیکنگ ہوتی ہے مگر ہمیں کیا فرق پڑتا ہے، ارم ہی تو ہیڈ پریفیکٹ ہے۔'' میں نے اپنی بیسٹ فرینڈ کا نام لیا تو وہ سمجھ جانے والے انداز میں گردن ہلانے لگا۔ اس کے غیر معمولی خوشگوار رویے سے متاثر ہو کر میں نے بھی اس سے باتیں شروع کر دیں۔

''مما تو کبھی بھی مجھے ناخن نہ بڑھانے دیں۔ میں نے ان سے چھپا کر ناخن بڑھائے ہیں۔ بس ارسلان بھائی کی شادی ہو جائے پھر کاٹ لوں گی۔''

ہمارے پھوپھی زاد ارسلان بھائی کی عنقریب شادی ہونے والی تھی۔ خاندان کی پہلی شادی تھی اس لیے ہم سب ہی بہت خوش تھے۔ عمر کی دلچسپی محسوس کرتے ہوئے میں مزید گویا ہوئی۔

''پتا ہے عمر! ارسلان بھائی کی شادی کے لیے میں نے گرین کلر کا غرارہ بنایا ہے۔'' وہ میری بات سن کر بے ساختہ ہنس پڑا۔ کافی دیر تک جب اس کی ہنسی نہ رکی تو میں چڑ گئی۔

''ایسا میں نے کون سا لطیفہ سنایا ہے جو تمہاری ہنسی ہی نہیں رک رہی۔'' میرے چڑنے کی پرواہ کیے بغیر وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''اصل میں میں یہ سوچ رہا تھا کہ تم غرارہ پہن کر کیسی لگو گی، ذرا سوچو۔'' وہ پھر سے ہنسنے لگا۔ ''ایسا لگے گا جیسے کوئی توپ چلی آ رہی ہے۔'' وہ مزہ لیتے ہوئے بولا۔ اس کی اس بات پر میں ایک لمحے کو تو ناراض ہو کر بیٹھ گئی اور پھر کچھ دیر بعد بڑی فکرمندی سے بولی۔

''کیا واقعی غرارہ میرے اوپر اچھا نہیں لگے گا؟ عمر! کیا میں بہت موٹی ہوں؟'' میرے درد بھرے انداز پر وہ سنجیدگی سے بولا۔

''بہت کا لفظ ہٹا دو، تم صرف موٹی ہو۔'' اس کی بے نیازی پر میں غمزدہ ہو کر بولی۔

''میں نے مما سے ضد کر کے غرارہ بنوایا ہے اور مما نے بھی وعدہ کیا ہے کہ باوجود امتحانوں کے وہ مجھے ارسلان بھائی کی شادی کے ہر فنکشن پر جانے دیں گی۔'' میں بہت فکرمند ہو گئی تھی کہ غرارہ میرے اوپر اچھا نہیں لگے گا مگر میں جانتی نہ تھی کہ یہ غرارہ پہننا میری قسمت میں لکھا ہی نہیں گیا۔

اگلے ہی دن مما نے نیل کٹر سے اپنے سامنے ہی خوب اندر تک دھنسوا کر میرے ناخن کٹوائے تو میں حیران رہ گئی کہ انہیں پتا کیسے چلا؟ پھر اس کے بعد ارسلان بھائی کی شادی کے کسی بھی فنکشن پر مجھے لے جانے سے مما نے صاف انکار کر دیا۔

''امتحان سر پر ہیں اور تمہیں فنکشنز کی پڑی ہوئی ہے۔'' میں نے مما کو ان کا وعدہ یاد دلانا چاہا تو وہ بڑی ناراضی سے بولیں ''ٹھیک ہے میں نے کہا تھا مگر مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ تمہاری ابھی تک ذرا بھی تیاری نہیں ہے۔ فزکس کے چار چیپٹر بغیر ہاتھ لگائے ایسے ہی رکھے ہیں، کچھ سنجیدہ ہو جاؤ پڑھائی میں۔''

اور پھر میں روتی رہ گئی مگر کسی نے میرے اوپر رحم نہ کھایا، عمر تو آگ لگا کر پھوپھو کے گھر چلا گیا تھا اور شادی کے تمام فنکشنز ختم ہونے تک وہ وہیں رہا تھا۔ اس کمینے نے کیسا بھرپور بدلہ لیا تھا مجھ سے۔ ہمارے خاندان کی پہلی شادی اور میں اس میں شرکت سے محروم رہ گئی تھی۔

وقت کیسا بھی ہو گزر ہی جاتا ہے چنانچہ یہ بدترین وقت بھی گزر ہی گیا اور پھر وہ لمحہ آیا جب میں اپنے گھر والوں کے سامنے سرخرو ہو سکی۔ میٹرک میں 70% میرے اپنے حساب سے بہت زیادہ تھے۔ گھر میں پہلے پہل تو کسی کو یقین ہی نہ آیا۔ میری نالائقی سے تو اب سب ویسے ہی سمجھوتا کر چکے تھے۔ کسی اور کو تو کیا مجھے خود یقین نہ آ رہا تھا۔ مما نے زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے گلے سے لگا کر پیار کیا تو میں خوشی سے بے حال ہو گئی۔ ممی نے سونے کی خوبصورت سی چین دی اور پاپا نے ہزار روپے دیے، میں خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھی۔ عمر سامنے ہی بیٹھا میرا خوشی سے گل رنگ چہرہ بڑے طنزیہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے، میں اس کی طرح ناشکری نہیں ہوں کہ پوزیشن آنے پر بھی منہ بنایا جا رہا تھا۔ میں تو اے گریڈ پر بھی اپنے رب کی بڑی شکر

گزار رہوں۔'' اس کی طنزیہ نظریں نظر انداز کر کے میں نے دل ہی دل میں خود کو حوصلہ دیا۔ دادی ایسے موقع پر چپ کیسے رہ سکتی تھیں۔ میرا دل جلانے کو بڑے طنز سے بولیں۔

''ارے بی بی! میرے عمر کے پاؤں دھودھو کر پیو، جس نے تم ایسی نکمی اور نالائق کو کسی لائق بنا دیا ورنہ مجھے امید نہ تھی کہ تم ایک ہی مرتبہ میں میٹرک کے پرچے پاس کرلوگی۔'' جب سے میں نے ڈیڈی سے عمر کو ڈانٹ پڑوائی تھی دادی میری اور بھی دشمن ہوگئی تھیں۔ حالانکہ ان کا چہیتا مجھ سے بدلہ لے چکا تھا مگر ان کا غم ابھی تک باقی تھا۔ میں نے دادی کا طنزیہ انداز بھی نظر انداز کر دیا اور خوشی خوشی ہزار روپوں کو ٹھکانے لگانے میں لگ گئی۔

☆

کالج میں آئی تو ایک بالکل ہی مختلف دنیا سے میرا تعارف ہوا۔ مما نے مجھے پری انجینئرنگ دلوائی تھی حالانکہ پاپا نے دبے لفظوں میں مما کو سمجھانے کی کوشش بھی کی تھی کہ

''اگر اس کا انٹرسٹ آرٹس کی طرف ہے تو اسے وہی پڑھنے دو۔'' مگر مما نے ان کی بات ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دی تھی اور میں جو ابھی تک ان کے گلے لگا کر پیار کرنے پر سرشار تھی بلا چوں چرا ان کی بات مان گئی تھی۔

کالج میں ہم چاروں کا گروپ تو وہی پرانا تھا یعنی میں، ارم، لبنی اور وردہ مگر ہمارے گروپ میں نیا اضافہ فرحانہ کا تھا جو ویسے تو ایج میں ہم لوگوں سے ڈیڑھ دو سال بڑی تھی مگر باتیں بڑی مزے کی کرتی تھی۔ پہلے ہی دن وہ ہمارے گروپ میں شامل ہوگئی تھی اور دوسرے دن بڑے مزے سے اپنے فیانسی کی تصویریں اٹھا کر لے آئی اور بتایا کہ اس کی منگنی عمران سے سال بھر پہلے ہی ہوئی ہے۔ وہ بھی بڑے زبردست قسم کے افیئر کے بعد اور یہ کہ وہ میٹرک میں مسلسل دو سال تک فیل ہوتی رہی، صرف اور صرف اسی چکر کی وجہ سے۔

''یار! میری ممی کہتی ہیں کہ لڑکیوں کو پڑھ لکھ کر کیا کرنا ہے، آخر کرنا تو وہی ہانڈی چولہا ہی ہے نا۔ بس میری تو انٹر کرتے ہی شادی ہو جائے گی۔ کالج بھی میں تو صرف ٹائم پاس کرنے آتی ہوں۔''

وہ بڑے اطمینان سے بتا رہی تھی اور ہم چاروں جنہیں پڑھائی کی خاطر دن رات گھر والوں سے جوتے پڑتے تھے اس کے نصیب پر رشک کرنے لگے۔ اس کی باتوں میں، ہم لوگوں کو بڑا مزہ آتا تھا۔ وہ روزانہ تفصیل کے ساتھ اپنی اور عمران کی ٹیلی فونک گفتگو کا احوال سناتی جو رات کو بارہ بجے سے صبح کے چار بجے تک بلا ناغہ جاری رہتی تھی۔ اس کا منگیتر بی کام کر کے اپنے ابا اور بھائیوں کے ساتھ بزنس کرتا تھا۔ ''عمران نے یہ کہا، میں شرما گئی، عمران نے وہ کہا میں بھی شرم سے سر جھکا کر رہ گئی'' اس کی باتوں پر ہم لوگوں کو حسرت سی محسوس ہوتی کہ کیا ہم اس قابل نہیں کہ کوئی ہمیں بھی پسند کرے۔ ہمیں تو آج تک کسی نے لفٹ ہی نہیں کروائی۔ ارم نے تو باقاعدہ اس روز کالج سے گھر آتے ہوئے کہہ بھی دیا۔

''فرحانہ سے تو زیادہ ہی خوبصورت ہوں میں، پتا نہیں لوگوں کی نظریں کمزور کیوں ہوگئی ہیں؟'' مجھے بھی کیونکہ اس کی اس بات سے مکمل اتفاق تھا اس لیے اس کی تائید کرنے لگی اور پھر کافی دیر تک ہم اپنی اس ناقدری پر افسوس کرتے رہے۔

فرحانہ کی باتیں سن سن کر ہم چاروں کو منگنی کروانے یا کم از کم ایک آدھ چکر چلانے کا بڑا شوق ہوگیا تھا۔ فرحانہ نے بتایا تھا کہ عمران نے

اسے اسکول سے گھر جاتے ہوئے راستے میں ایک دن لفٹ کی آفر کی تھی اور بس وہیں سے ان کی لو اسٹوری شروع ہوگئی تھی۔

یہ قصہ سننے کے بعد لاشعوری طور پر میں روزانہ کالج آتے اور جاتے وقت اپنے اردگرد آگے پیچھے چلتی تمام گاڑیوں کو نظر میں رکھنے لگی کہ شاید ان ہی میں سے کسی میں ''وہ بھی ہو جو روزانہ میری ایک جھلک دیکھنے کے لیے گاڑی میری گاڑی کے ساتھ دوڑاتا ہو۔'' مگر وائے افسوس ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ ہم چاروں کی سپاٹ اور بے رنگ زندگی میں کوئی ہلچل نہ مچی۔

اس صبح میں ناشتے کی میز پر خاصی تاخیر سے آئی تو میز پر گھر کے تمام افراد موجود تھے۔ مما نے ایک نظر میری طرف دیکھا اور غصے سے بولیں ''ابھی تک یونیفارم بھی نہیں پہنا، کالج جانے کا ارادہ ہے یا نہیں؟'' میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے لاپروائی سے بولی۔

''مما! آج میرا کالج جانے کا موڈ نہیں ہے۔'' میں نے سستی سے کہتے ہوئے ایک لمبی سی جمائی لی تو میری جمائی پر دادی مجھے گھورنے لگیں۔ بے چاری دادی ساری زندگی میری تربیت پر توجہ دیتی رہیں مگر میں نے بھی سدھر کر نہ دیا۔ مجھے ان کے گھورنے پر خواہ مخواہ ہنسی آنے لگی۔

''کیا بات ہے آپ کے موڈ کی، انٹر کرنے کا ارادہ ہے یا نہیں۔'' مما نے طنز کا نشتر چلایا۔ ان کی بات کا کوئی جواب دیئے بغیر میں آرام سے آملیٹ سے لطف اندوز ہونے لگی۔

''چلو جاؤ جا کر یونیفارم پہن کر آؤ، تو ابزادی اب اپنے موڈ سے کالج جایا کریں گی۔'' مما کا پارہ ہائی ہونے لگا تھا۔

''کیا ہے مما! مجھ سے نہیں ہوتی اتنی مشکل پڑھائی۔ فزکس پڑھو، کیمسٹری رٹو پھر میتھ کے ساتھ سر کھپاؤ۔ فائدہ اس ساری مغز ماری کا؟ آخر کرنا تو وہی ہانڈی چولہا ہی ہے ناں۔'' میں نے اپنے طور پر بڑی سنجیدہ بات کی تھی مگر پتا نہیں کیوں عمر کو خواہ مخواہ کھانسی ہونے لگی تھی اور ڈیڈی نے اپنے لبوں پر مچلنے والی بے ساختہ مسکراہٹ کا گلا گھونٹتے ہوئے اخبار چہرے کے آگے پھیلا لیا تھا۔ مما خاموشی سے مجھے گھور رہی تھیں اور ان کے گھورنے کی وجہ سمجھنے سے میں قاصر تھی۔

''شاباش ہے، اس بے حیائی کی کسر رہ گئی تھی، چلو وہ پوری ہوئی۔'' دادی نے غصے اور طنز کے ملے جلے انداز میں کہا تو میں ان کے ناراض ہونے پر حیران سی بیٹھی رہ گئی۔

''کیوں میں نے ایسی کیا بات کہہ دی ہے۔ میری کلاس میں آدھی سے زیادہ لڑکیوں کی انگیجمنٹ ہوگئی ہے اور سب کی شادیاں انٹر کرتے ہی ہو جائیں گی۔'' انگیجمنٹ کا ذکر بڑی حسرت کے ساتھ کیا۔ ''تو انہیں کیا فائدہ ہوگا اتنے مشکل سبجیکٹ پڑھنے کا۔ شادی کے بعد ان کی ساس آئن اسٹائن کی Theory of relativity تو سنیں گی نہیں۔'' میں نے بڑی بے نیازی سے بات مکمل کی۔

مما اور دادی کے علاوہ میز پر موجود تمام لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹ تھی اور تو اور مریم بھی جواب خیر سے نو سال کی ہوگئی تھی وہ بھی ہنس رہی تھی۔ مجھے دادی اور مما کے گھورنے پر افسوس ہو رہا تھا۔ بھئی یہ تو قدرتی بات ہے۔ کیا میری کبھی شادی نہیں ہوگی۔ عمر تو باقاعدہ قہقہہ لگا کر ہنس رہا تھا۔ مما پتا نہیں کیوں اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں جبکہ میں بڑے آرام سے ناشتہ کرتی رہی تھی یہ اور بات کہ بعد میں مما نے خوب گھن گرج کے ساتھ مجھ پر برستے ہوئے پاپا اور ڈیڈی کے سامنے اس بے حیائی پر سخت سست سنائی تھیں۔

کچھ ہی دنوں بعد میری برتھ ڈے آئی تو وہ چاروں میرے ساتھ سالگرہ سیلبریٹ کرنے گھر چلی آئیں۔ مما نے بھی میری دوستوں کی آمد کا لحاظ کرتے ہوئے کافی ساری چیزیں بنا کر رکھی ہوئی تھیں۔ مجھے خود تو صرف چائے ہی بنانی آتی تھی۔ ہم پانچوں لان میں بیٹھے کھانے پینے اور ہلا گلا کرنے میں مصروف تھے۔ میں ان لوگوں کے دیئے گفٹس کھولنے لگی ہوئی تھی جب فرحانہ کی سرگوشی سنائی دی۔ وہ بالکل میرے قریب ہو کر پوچھ رہی تھی۔

''تاباں! یہ اسمارٹ سالڑکا کون ہے؟'' میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے سے بڑی لاپرواہی سے عمر بلیک ٹی شرٹ اور بلیک جینز پہنے شاید جم خانہ جانے کے لیے پورچ کی طرف جارہا تھا۔

''عمر ہے، میرا کزن۔'' میں نے سرسری سے لہجے میں جواب دیا اور دوبارہ گفٹس کی طرف متوجہ ہوگئی۔ وہ چاروں تو پرانی سہیلیاں تھیں اس لیے عمر کو پہلے سے جانتی تھیں، فرحانہ نے پہلی دفعہ دیکھا تھا اس لیے پوچھ رہی تھی۔

''یہ اتنا اسمارٹ اور ہینڈسم لڑکا تمہارا کزن ہے اور پھر بھی تم اپنی قسمت پر افسوس کرتی ہو۔'' فرحانہ نے باآواز بلند فرمایا تو گاڑی کا دروازہ کھولتے عمر نے ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا اور پھر بڑی بے نیازی سے گاڑی نکال کر یہ جا وہ جا۔ میں اس کی بات کا مطلب سمجھ کر ہنس پڑی اور بولی۔

''اول تو یہ کوئی ہینڈسم وینڈسم نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو مائی فٹ، یہ تو میرا پیدائشی دشمن ہے۔'' عمر کو میں نے کبھی اس قابل سمجھا ہی نہیں تھا کہ دوستوں کے سامنے اس کا تذکرہ کرتی اس لیے ارم، وردہ اور لبنیٰ ابھی اس کی اور میری جدی پشتی دشمنی کے بارے میں زیادہ تفصیل سے نہیں جانتی تھیں۔ پھر فرحانہ کے بے حد اصرار پر میں نے مختصر ترین الفاظ میں اپنی عمر کی خاندانی دشمنی کا احوال سنایا۔ میری ساری کتھا سننے کے بعد فرحانہ بڑے فلسفیانہ انداز میں کچھ سوچنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سر اٹھا کر سنجیدہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''یہ بتاؤ، اس کا یہ رویہ صرف تمہارے ہی ساتھ ہے یا وہ باقی ساری کزنز کے ساتھ بھی اسی طرح بی ہیو کرتا ہے؟'' میں اس کے سوال پر حیران ہوتے ہوئے بولی۔

''نہیں باقی سب کے ساتھ تو وہ انسان کے بچوں کی طرح رہتا ہے۔ بڑی پھپو، چھوٹی پھپو کی بیٹیوں اور دیگر تمام خاندان کی لڑکیوں کے ساتھ وہ اچھی طرح ملتا ہے۔ دشمنی تو اسے صرف اور صرف مجھ سے ہے۔ وہ تو میرا ازل سے دشمن ہے۔'' میری اس بات پر فرحانہ خوشی سے اچھل پڑی اور مسرت سے بھرپور لہجے میں بولی۔

''بس دیکھ لیا، میرا اندازہ صحیح نکلا۔ اری بیوقوف وہ تجھے پسند کرتا ہے اور جان کرستا تا ہے۔ لکھ لو میری بات، وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ میرا تجربہ کبھی غلط ثابت نہیں ہوسکتا۔ ابھی کل ہی میں نے ایک ناول پڑھا ہے جس میں ہیرو ہیروئن کو جان بوجھ کر خوب تنگ کرتا ہے، اسے رلاتا ہے اور اس کے سامنے دوسری لڑکیوں سے دوستی کرتا ہے۔ بے چاری ہیروئن اس غلط فہمی کا شکار رہتی ہے کہ یہ مجھے پسند نہیں کرتا آخر میں ساری بات کھلتی ہے اور دونوں کی شادی ہوجاتی ہے۔'' فرحانہ بڑے عالمانہ انداز سے بول رہی تھی اور میرا ہنستے ہنستے برا حال ہوگیا تھا۔

''یہ عمر کا بچہ اور مجھ سے محبت کرے گا۔ یہ بڑی خبیث روح ہے اور اگر کرے بھی تو میں تو اسے کبھی منہ بھی نہ لگاؤں۔'' میں نے بڑی نفرت سے کہا۔ اس روز تو بات آئی گئی ہوگئی مگر بعد میں ان لوگوں کے ہاتھ جیسے ایک نیا موضوع آگیا۔ فرحانہ کے منگیتر کے قصے سن سن کر سب لوگ شاید اب

بیزار ہو چکے تھے۔ اس لیے منہ کا ذائقہ تبدیل کرنے کے لیے آج کل عمر موضوع بحث بنا ہوا تھا۔

فرحانہ کے ساتھ وہ تینوں بھی مجھے یہ بات سمجھانے کی کوشش کرتیں کہ میرے گھر میں اک عدد اتنا ہینڈسم کزن موجود ہے اور میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہوں۔ ارم نے جس پر فرحانہ کی محبت کا اثر سب سے زیادہ ہوا تھا میرے مسلسل انکار پر آخر ایک دن جل کر کہہ ہی دیا۔

''اترا لو خوب اپنے ہینڈسم اور اسمارٹ کزن پر۔ ارے فرحانہ! ایک عمر پر ہی کیا موقوف، یہ محترمہ کزنز کے معاملے میں خاصی خود کفیل ہیں۔ بدنصیب تو صرف ہم ہی ہیں جو اپنے کزنز کی رومال سے ناک صاف کرتے ہیں اور بوقت ضرورت ان کی اماؤں کی مدد کے خیال سے ان کے نیپی چینج کرتے ہیں۔'' اس کی بات پر ہم سب کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا تھا۔ اس کے امی اور ابا دونوں اپنے بہن بھائیوں میں بڑے تھے اس لیے اس کے تمام کزنز عمر میں اس سے کافی چھوٹے تھے اور اسے اس بات کا بے حد افسوس تھا۔

قطرہ قطرہ پانی گرتے رہنے سے تو پتھر میں بھی سوراخ ہو جاتا ہے جبکہ میں تو ایک معصوم اور بھولی بھالی سی لڑکی تھی۔ شروع میں ان کی یہ باتیں مجھے بری لگتی تھیں مگر وقت کے ساتھ ساتھ مجھے بھی ان کی چھیڑ چھاڑ اچھی لگنے لگی۔

اس روز عمر اسٹڈی میں بیٹھا مجھے تھیورم سمجھا رہا تھا۔ میتھ ابھی بھی مجھے عمر ہی پڑھاتا تھا۔ باقی فزکس اور کیمسٹری کے لیے میں نے کوچنگ سنٹر جوائن کیا ہوا تھا۔ وہ بے چارہ بڑی جانفشانی سے مختلف مثالیں دے کر مجھے سمجھانے میں مصروف تھا اور میں زندگی میں پہلی مرتبہ بغور اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

''ہاں، عمر ہینڈسم تو ہے، کم از کم فرحانہ کے اس جوکر سے تو اچھا ہی ہے۔'' میں نے اپنے آپ سے کہا۔ نظروں کا زاویہ بدلا تو مجھے اس میں بہت سی خوبیاں نظر آنا شروع ہو گئیں ''ہائٹ بھی اچھی ہے، اسپورٹس میں بھی اچھا ہے، پڑھائی میں تو خیر کیا بات ہے، وہ ہے ہی جینئس اور پرسنیلٹی تو بڑی زبردست ہے۔ نو ڈاؤٹ اس کی لک بہت ہی مردانہ ہے۔'' میں اس پر نظریں جمائے سوچ رہی تھی۔

''لو اب تم مجھے یہ سوال کر کے دکھاؤ، ذرا جلدی سے، ہری اپ۔'' عمر کی آواز مجھے ہوش و حواس کی دنیا میں واپس لائی۔ وہ مجھے گھور کر میری طرف دیکھ رہا تھا۔

''کیا مصیبت ہے، بیٹھے بیٹھے سو گئی تھیں کیا؟ جلدی سے یہ سوال کر کے دکھاؤ تو میں جاؤں، مجھے کمپیوٹر پر بہت ضروری کام کرنا ہے۔'' وہ بڑی بے زاری سے بولا تو میں شرمندہ سی آواز میں بولی۔

''سوری عمر! میری سمجھ میں بالکل بھی نہیں آیا۔''

''کیا؟'' وہ چیخ اٹھا تھا۔ ''پاگل کر دو گی تم مجھے۔ جنگلی، بدتمیز۔ اتنی دیر سے بیٹھا اپنا وقت برباد کر رہا ہوں۔ دفع ہو یہاں سے، اڈیٹ۔'' وہ میرے اوپر غصہ اتار کر کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گیا تو میں اپنی چیزیں اٹھا کر خاموشی سے باہر نکل آئی مگر آج مجھے عمر کی ڈانٹ بری نہیں لگی تھی۔ میرا بھی اس بات پر ایمان پختہ ہو رہا تھا کہ عمر میرے ساتھ ایسا سلوک جان کر کرتا ہے ورنہ باقی سب کے ساتھ تو وہ بہت اچھا ہوتا ہے۔

انہیں گزرتے دنوں میں رمضان آ گئے تو فرحانہ نے ایک نیا شوشا چھوڑا۔

''تاباں! تم عید پر عمر کو کارڈ اور کوئی گفٹ دو۔'' پہلے پہل تو میں نے منع کیا مگر وہ سب کی سب ہی میرے پیچھے پڑ گئیں۔ سب کا خیال تھا کہ وہ بے چارہ مجھ سے اظہار محبت کرتے ہوئے ڈرتا ہے اور میری پیش قدمی پر وہ خوشی سے پھولا نہیں سمائے گا۔ پھر میری سونی زندگی میں بھی بہار آجائے گی اور میں بھی اپنی دوستوں کو ''ان'' کے قصے سنا سکوں گی۔ ان لوگوں کے اتنے یقین سے کہنے پر مجھے بھی ایمان لانا پڑا۔ پھر وہیں کالج کی بک شاپ سے ہم نے بلیک کلر کی کارڈ شیٹ خریدی۔ ڈرائنگ تو میری تھی ہی اچھی۔ چنانچہ بلیک شیٹ پر خوبصورت ریڈ کلر کے گلاب کے پھول میں نے پینٹ کیے وہ چاروں میرے اردگرد بیٹھی مختلف مشوروں سے نواز رہی تھیں۔ اس روز ہم نے سارے پیریڈز بنک کیے اور کامن روم میں بیٹھ کر کارڈ بناتے رہے۔ گو بنا تو میں رہی تھی لیکن مشورے وہ لوگ دے رہی تھیں۔ کارڈ تیار ہو گیا تو مسئلہ کھڑا ہوا کہ اس پر لکھا کیا جائے؟ سب کی مشاورت سے بڑی سوچ بچار کے بعد میں نے کٹ پین سے بڑے خوبصورت لکھائی میں کارڈ کے باہر سنہری حروف لکھے۔

Eid wishes to someone very Special

پھر اندر میں نے Dearest Umar لکھا اور اس کے نیچے لکھا۔

Special people like you bring warm thoughts to the mind and warm feelings the heart.

نیچے اپنا نام لکھا۔ ان لوگوں کے بے حد اصرار پر بھی میں ''تمہاری تاباں'' لکھنے پر تیار نہ ہوئی۔ آخر شرم و حیا بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ ارم کا خیال تھا کہ کارڈ ابھی کچھ سونا لگ رہا ہے۔ اس میں ایک آدھ شعر بھی ہونا چاہیے۔ ان دنوں ہماری شعر و شاعری کورس کی کتابوں تک ہی محدود تھی چنانچہ اپنی اردو کی ٹیکسٹ بک کھول کر بیٹھ گئے اور بڑی جدوجہد کے بعد مومن خان مومن کا یہ شعر ہمارے معیار پر پورا اترا۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

مجھے اس شعر پر خاصا اعتراض تھا مگر وہ لوگ بضد تھیں کہ یہی لکھو، آخر کار کارڈ مکمل ہوا۔

''بس اب تم اس کے ساتھ ایک گفٹ خرید کر چاند رات کو جا کر اسے دے دینا۔ پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے۔ آخر یہ میرا دو سالہ کامیاب تجربہ ہے کوئی مذاق نہیں۔'' فرحانہ بڑے یقین سے کہہ رہی تھی۔

''جب تم اسے یہ کارڈ دو گی تو پہلے تو وہ کچھ حیران ہو گا پھر مسکرا دے گا اور اس کے بعد تم سے کہے گا کہ ہاں تابی میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں پتا نہیں کب سے، مگر کہنے سے ڈرتا تھا۔'' فرحانہ نے بڑا رومان پرور نقشہ کھینچا اور ہم سب کی سب مسحور سی ہو کر اسے تکنے لگیں۔

''پھر وہ تمہیں چوڑیاں پہنانے لے جائے گا، ہو سکتا ہے چوڑیاں اپنے ہاتھوں ہی سے پہنائے، اس کے بعد وہ تمہیں آئس کریم کھلائے گا۔ گویا یہ چاند رات تمہارے لیے خوشیوں کے دروازے کھول دے گی۔'' فرحانہ کی باتیں مجھے خیالی دنیا میں لے گئیں۔ عمر کے ہاتھوں سے چوڑیاں پہنتی میں بے تحاشا شرماتی ہوئی۔

''مگر ہم لوگوں کو ساری رپورٹ سنائے بغیر اگر تم چوڑیاں پہننے چلی گئیں تو یاد رکھنا کہ ہم سے برا کوئی نہ ہوگا۔'' لبنیٰ نے مجھے دھمکی دی۔

''ایک ایک کو روداد سنانے بیٹھی تو چاندرات تو یونہی تمام ہو جائے گی، پھر میں چوڑیاں پہننے کب جاؤں گی؟'' میں نے فکرمندی سے کہا۔

''یہاں بھی فرحانہ کی ''ذہانت'' اور تجربہ کام آیا کہنے لگی ''تمہیں صرف میں فون کروں گی۔ تم ساری داستان سنا دینا، باقی لوگوں کو پھر میں بتا دوں گی۔''

ہم سب نے ہی اس کی بات سے اتفاق کیا اور پھر طے یہ کیا گیا کہ چاندرات کو نو سے دس کے درمیان میں عمر کو کارڈ اور گفٹ دوں گی اور فرحانہ ساڑھے دس بجے فون کر کے مجھ سے ساری تفصیلات سنے گی۔ عید کی وجہ سے چھٹیاں ہو رہی تھیں اور آج ہمارا چھٹیوں سے پہلے لاسٹ ڈے تھا۔ سب کو خدا حافظ کہتی میں اپنی گاڑی میں جا رہی تھی۔

راستے میں ڈرائیور سے گاڑی رکوا کر عمر کے لیے گیمز کی سی ڈی خریدی۔ ان دنوں میری پاکٹ منی مجھے اس بات کی اجازت نہ دیتی تھی کہ میں کوئی قیمتی پرفیوم یا قلم اسے تحفے میں دے سکتی۔ پھر کمپیوٹر میں تو اسے دلچسپی بھی بہت ہے، میں نے خود کو اطمینان دلایا۔

چاندرات آئی تو میں صبح ہی سے بڑی ایکسائیٹڈ تھی۔ گفٹ تو میں نے رات ہی پیک کر کے رکھ لیا تھا۔ سارا دن خیالوں میں عمر کے سنگ پتا نہیں کہاں کہاں کی سیر کرتی رہی۔ اللہ اللہ کر کے رات ہوئی۔ ٹی وی پر نو بجے چاند نظر آ جانے کا اعلان نشر ہوا تو مما وغیرہ فوراً ہی کچن میں گھس گئیں اور میں جلدی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ دھڑکتے دل کیساتھ گفٹ اور کارڈ اٹھایا اور باہر نکلی۔ عمر کے کمرے میں جاتے ہوئے میں اس سے پہلے اتنی نروس کبھی نہ ہوتی تھی جتنی اس روز ہو رہی تھی۔ ایک لمحے کو تو دل چاہا کہ رہنے دوں مگر پھر اپنی سہیلیوں کا خیال آیا۔ ابھی فرحانہ فون کر کے پوچھے گی اور اگر اسے پتا چلا کہ میں نے کارڈ نہیں دیا تو وہ کتنی گالیاں دے گی اور مجھے جاہل، گنوار اور بزدل کے القاب سے نوازے گی۔

''نہیں، میں بزدل نہیں ہوں۔'' میں نے خود کو سمجھایا اور دل کڑا کر کے اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

''یس کم ان۔'' کی آواز سنائی دی تو میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ وہ بیڈ پر بیٹھا جوگرز پہن رہا تھا، ایک نظر میری طرف دیکھا اور بولا۔

''فرمایئے۔'' میں نے گفٹ اور کارڈ دونوں اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ کر کمر سے لگائے ہوئے تھے، اس لیے اسے کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ جب دو چار سیکنڈ گزر گئے اور میں کچھ بھی نہ بولی تو وہ جوگرز کے تسمے باندھ کر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

''کیا تکلیف ہے بول بھی چکو، مجھے جاوید کی طرف جانا ہے، جلدی کہو جو کہنا ہے۔'' بڑی بدتمیزی سے کہتا وہ گھڑی پہننے لگا تھا مگر میں نے اس کا لہجہ نظر انداز کر دیا۔ مجھے معلوم تھا ابھی یہی زبان میرے لیے پھول برسائے گی۔ بس ایک لمحے کی بات تھی، میں نے کارڈ اور گفٹ ایک دم اس کی طرف بڑھا دیئے۔ وہ حیران نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

''کیا ہے یہ؟'' لہجہ بھی حیرت زدہ تھا۔

''وہ عمر! میں نے سوچا ہم ہمیشہ خوامخواہ لڑتے رہتے ہیں جبکہ اب ہم بڑے ہو چکے ہیں تو اب ہمیں آپس میں دوستی کر لینی چاہیے۔ اسی لیے میں تمہارے لیے یہ لائی ہوں۔'' میں نے اس کی طرف بڑی لگاوٹ سے دیکھتے ہوئے یہ جملے ادا کیے تھے۔ ویسے جملے میں لفظ ''بڑے'' پر میں

نے خاصا زور دیا تھا۔ اس کی حیرت بھی بجا تھی۔ ہم دونوں نے ساری زندگی کبھی ایک کینڈی یا مونگ پھلی تک تو ایک دوسرے کو دی نہ تھی اور کہاں آج میں اس کے لیے گفٹ لیے کھڑی تھی۔ ایک آدھ سیکنڈ کی حیرانی کے بعد اس نے دونوں چیزیں تھام لیں اور بولا۔

''تھینک یو۔'' میں فوراً ہی دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ دروازے سے نکلتے ہوئے میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ کارڈ کھول کر پڑھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اس کے چہرے پر چھائی شوخ مسکراہٹ کو دیکھتے ہوئے میں اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔ دروازہ بند کر کے میں نے بیڈ پر گرتے ہوئے اپنی بہادری اور جی داری پر خود کو شاباش دی۔

''فرحانہ کمبخت نے ابھی تک فون نہیں کیا تھا۔ پھر میں عمر کے ساتھ چلی جاؤں گی تو محترمہ ناراض ہوں گی کہ انہیں ساری روداد سنائے بغیر چلی گئی۔'' میں فرحانہ کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔ یہ نہیں سوچا تھا کہ اسے تو ساڑھے دس بجے فون کرنا ہے جبکہ ابھی محض ساڑھے نو بجے ہیں۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تو میرا دل دھڑک اٹھا۔

اللہ یہ فرحانہ کو تو آج سے میں گرو مان گئی۔ کتنا درست اندازہ تھا اس کا لیکن مجھے تو اتنی شرم آ رہی ہے، میں عمر کا سامنا کیسے کروں گی؟ ابھی میں یہ سوچ ہی رہی تھی کہ مریم کی آواز سنائی دی۔

''آپی! دروازہ کھولیں، آپ کو مما بلا رہی ہیں۔'' وہ باہر سے چلا کر بولی تھی۔ میں ایک دم اپنے حواسوں میں واپس آئی اور دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ وہ مجھے کچن کی طرف جاتا دیکھ کر کہنے لگی۔

''مما اپنے کمرے میں ہیں۔'' مجھے یہ اطلاع فراہم کر کے وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ میں اپنے ہی خیالوں میں گم مما کے کمرے میں داخل ہوئی۔

مما ادھر سے ادھر بڑے غصے میں ٹہل رہی تھیں اور سامنے صوفے پر عمر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے ایک نظر اس کے شرارت سے مسکراتے ہوئے چہرے پر ڈالی اور دوسری مما پر جو بڑے غصے اور جلال میں نظر آ رہی تھیں۔ مجھے اندر داخل ہوتا دیکھ کر بھی انہوں نے اپنی مارچ پاسٹ بند نہ کی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا میں اپنی حیرانی چھپاتے ہوئے سعادت مندی سے سر جھکا کر بولی۔

''جی مما! آپ نے بلایا تھا؟'' مما جو غصے میں چلتی ہوئی دیوار تک پہنچ گئی تھیں میری بات پر رک کر میری طرف دیکھنے لگیں۔ چند لمحوں تک بڑے جاہ و جلال کے ساتھ مجھے گھورتی رہیں، میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہوا کیا ہے؟ میرے خیال سے تو میں نے آج دن بھر میں ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی جو مما کے غصے کا باعث بنتی، پھر وہ اچانک میری طرف بڑھیں اور بیڈ سے کچھ اٹھا کر میرے منہ پر دے مارا۔

''کیا ہے یہ؟'' ان کی پھینکی گئی اشیاء دیکھ کر میرے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔ میری حالت کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والی ہو رہی تھی۔ میرا ہی دیا ہوا کارڈ اور گفٹ میرے قدموں کے پاس پڑا ہوا تھا۔

''تم اتنی بے ہودہ اور بے لگام ہو جاؤ گی میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔'' میں مما کے غصے سے ڈری سہمی سر جھکائے کھڑی کانپ رہی تھی۔ مجھے ساری کائنات گردش کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ابھی میں گر پڑوں گی۔ کاش زمین پھٹے اور میں اس میں سما سکوں۔ میری

مسلسل چپ نے مما کا اشتعال اور بڑھا دیا۔

''بولو جواب دو، کیوں کی تم نے یہ اتنی گری ہوئی حرکت؟'' پھر انہوں نے ایک زوردار تھپڑ میرے منہ پر دے مارا۔ میری مما نے زندگی میں پہلی مرتبہ میرے اوپر ہاتھ اٹھایا تھا اور میں چپ چاپ سر جھکائے کھڑی تھی۔ خوف کے مارے آنکھوں سے آنسو بھی نہیں نکل رہے تھے۔

''وہ تو عمر نے مجھے لا کر یہ چیزیں دے دیں، پہلے اگ تو جاؤ پھر عشق کرنا، پتا نہیں کیسی بری دوست بنائی ہوئی ہیں۔ بس آج سے ساری دوستیاں ختم اور اگر آئندہ تمہاری کوئی شکایت سنی تو پڑھائی سے ہی اٹھالوں گی اور اب دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔'' مما دھاڑی تھیں۔

میں پتا نہیں کیسے قدم اٹھاتی اپنے کمرے میں آئی تو کب کے رکے ہوئے آنسو بہہ نکلے۔ میں بڑی شدت سے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کوریڈور میں موجود فون کی بیل بجتی مگر میں اس سے بے خبر روتی رہی یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ وہ میری زندگی کی بدترین عید تھی۔ میں بستر پر پڑی سسک رہی تھی اور دعائیں مانگ رہی تھی۔

''یا اللہ! میں مرنا چاہتی ہوں۔ اس ذلت کے بعد جینے کو جی نہیں چاہتا۔'' میں تکیے میں منہ چھپائے خدا کو پکار رہی تھی۔ پاپا وغیرہ شاید عید کی نماز پڑھ کر آ گئے تھے اسی لیے نیچے سے خوب شور شرابے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ سب سے بلند اور خوشی سے بھرپور آواز عمر کی تھی۔ اسی وقت میرے کمرے کا دروازہ کھول کر مما اندر آئیں اور بڑی بے رخی سے بولیں۔

''زیادہ مظلوم بننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، فوراً کپڑے بدل کر نیچے آؤ، سب لوگ پوچھ رہے ہیں۔'' دوٹوک انداز میں حکم صادر کر کے مما کمرے سے باہر جا چکی تھیں اور میں ان کے سرد و سپاٹ لہجے سے خائف ہوتی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدلے، بالوں میں برش کیا اور بڑے برے دل کے ساتھ سست رفتاری سے چلتی ہوئی نیچے آ گئی۔ حالانکہ عید کے لیے میں نے میچنگ جیولری اور چوڑیاں وغیرہ سب ہی چیزیں خریدی ہوئی تھیں مگر اس وقت کسی بھی سجاوٹ اور تیاری کے بغیر میں لاؤنج میں آ گئی تھی۔ سامنے ہی ڈیڈی مریم سے میرے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ مجھے آتا دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔

''لو آ گئی ہماری بیٹی آ جاؤ بیٹا! عیدی نہیں لو گی کیا؟'' وہ بڑے پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے تو میری آنکھیں بھر آئیں۔ میں نے آنکھیں جھپک جھپک کر آنسوؤں کو پیچھے دھکیلا۔ کیا فائدہ سب کے سامنے خود کو ایکسپوز کرنے کا۔

مجھے معلوم تھا یہ راز صرف میرے، مما اور عمر کے بیچ ہی ہے۔ آخر مما کو اپنی لاڈلی کی عزت بھی تو عزیز تھی اب جو کوئی مجھے روتا بسورتا دیکھ لے تو ضرور ہی وجہ دریافت کرے گا۔ اس لیے خود کو بمشکل سنبھال کر زبردستی مسکرائی۔ ایسا کرتے ہوئے مجھے کتنی تکلیف ہوئی یہ میں ہی جانتی ہوں۔ میرا دل رو رہا تھا اور میں اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجانے پر مجبور تھی۔ سامنے ہی وہ سفید کاٹن کی شلوار قمیص پہنے کھڑا تھا اور میرا دل چاہ رہا تھا کہ میرے ہاتھ میں اس وقت اگر لوڈڈ ریوالور ہو تو میں پورا کا پورا اس پر خالی کر دوں۔ وہ مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ سب خوش تھے۔ ظاہر ہے عید کا دن تھا، خوشیوں اور مسرتوں کا موقع تھا۔ خوب چہل پہل اور رونق ہو رہی تھی مگر میرا دل کسی چیز میں نہیں لگ رہا تھا۔ اس کی خود پر مرکوز نظریں میرا دماغ خراب کر رہی تھیں۔ ڈائننگ ٹیبل پر میرے سامنے بیٹھا وہ بڑی شرارت سے میری آنسو بھری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''ہاں، یہ تو وہی تھا میرا برسوں پرانا دشمن۔ میرے اور اس کے بیچ تو صرف اور صرف دشمنی کا ہی رشتہ تھا۔ کیوں میں نے یہ بات فراموش کی۔ اس بات کی سزا تو مجھے ملنی ہی چاہیے تھی۔'' دادی بھی میری مسلسل خاموشی سے پریشان سی ہوگئیں اور بولیں۔

''صوفیہ! مجھے لگتا ہے تابی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ دیکھو تو چہرہ کیسا اترا ہوا ہے۔'' زندگی میں پہلی مرتبہ دادی نے میرے لیے فکرمندی کا اظہار کیا تھا۔ ان کی بات پر ممی نے بھی بغور میری طرف دیکھا اور بولیں۔

''ہاں، اس کی طبیعت خراب لگ رہی ہے، کیوں تابی بیٹا! کیسی طبیعت ہے؟ تم نے مہندی بھی نہیں لگائی۔'' میں جواب دینے کی پوزیشن میں تھی ہی نہیں۔ منہ سے ایک بھی لفظ نکلنے سے پہلے آنسو نکل آتے، میں جانتی تھی اس لیے چپ چاپ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ میری کیفیت دیکھتے ہوئے مما بولیں۔

''ہاں اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، جاؤ تابی تم کمرے میں جا کر آرام کرو۔'' مما کی اجازت ملنے کی دیر تھی میں فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر کمرے میں آکر دوبارہ رونے لگی۔ مریم کے ہاتھ میرے لیے کھانا بھجوایا گیا جو میں نے کھائے بغیر واپس کر دیا۔ وہ سارا دن میں نے کچھ بھی کھائے بغیر واپس کر دیا۔

نتیجتاً اگلے دن بخار چڑھا کر بیٹھ گئی۔ مما ساری خفگی بھلائے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں میرے سر پر رکھنے لگیں۔ ڈاکٹر کو بلایا گیا، پورا گھر میرے کمرے میں جمع ہو گیا تھا، بخار کا زور ٹوٹا تو سب نے سکون کا سانس لیا۔

☆

اس سے اگلے روز میری طبیعت کافی بہتر تھی۔ میں بیڈ پر بیٹھی میگزین پڑھ رہی تھی جب ہلکی سی دستک دے کر عمر اندر آگیا اور اس کو دیکھ کر میں غصے سے پاگل ہونے لگی۔

''کیسی طبیعت ہے اب تمہاری؟'' بڑے میٹھے لہجے میں دریافت کیا جا رہا تھا۔ میں نے میگزین بند کر کے سائیڈ میں پٹخا اور بیڈ پر سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی، وہ ابھی تک میرے جواب کا منتظر بڑی شرافت سے کھڑا تھا مگر اس شرافت کے پیچھے چھپی خباثت کو میں اچھی طرح پہچان چکی تھی۔ میں اب زندگی بھر اس سے ایک لفظ بھی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ نہ لڑائی نہ جھگڑا، کچھ بھی نہیں۔ اسی لیے اسے یونہی کھڑا چھوڑ کر خود کمرے سے باہر نکل آئی اور مما کے کمرے میں جا کر لیٹ گئی۔ ذرا سا غور و فکر کیا تھا تو اپنے آپ پر بھی بہت غصہ آیا تھا کہ دوستوں کے الٹے سیدھے مشوروں پر عمل کرنے کی آخر مجھے ضرورت ہی کیا تھی؟ مما کی نظروں سے بھی گر گئی اور وہ باسٹرڈ سمجھ رہا ہوگا کہ میں اس کے عشق میں پاگل ہوگئی ہوں۔ اسے کیا پتا کہ یہ میری دوستوں کی پڑھائی ہوئی پٹیاں تھیں۔ عید کی چھٹیوں کے بعد کالج کھل گیا تھا مگر میرا جانے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔

اس روز میں سیڑھیاں چڑھتی اوپر آئی تو وہ سامنے اسٹڈی سے نکلتا نظر آیا۔ میں اسے نظر انداز کر کے سائیڈ سے ہو کر گزرنے لگی۔ آج کل میرا اس سے اتفاقاً ہی آمنا سامنا ہوتا تھا۔ دوپہر اور رات کا کھانا میں بھوک کا شور مچا کر سب سے پہلے کھا لیتی تھی اور پھر فوراً ہی کبھی سونے کا اور کبھی پڑھنے کا بہانا کر کے کمرے میں بند ہو جاتی تھی۔ مجھے خاموشی سے گزرتا دیکھ کر وہ میرے سامنے پھیل کر کھڑا ہو گیا تو مجھے رک جانا پڑا۔

''کیا بات ہے، آج کل تم پڑھنے نہیں آ رہیں۔'' وہ یوں بول رہا تھا جیسے ہمارے بیچ کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ میں اس کی بات کا کوئی بھی جواب دیئے بنا واپس سیڑھیوں کی طرف جانے لگی تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

''تمہیں تکلیف کیا ہے؟ میری بات کا جواب دے کر جاؤ۔'' میں نے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ آزاد کرانے کی کوشش کی مگر جب کامیابی نہ ہوئی تو چیخ کر دادی کو آواز دینے لگی۔

''دادی! جلدی آئیں۔'' میرے چیخنے پر بے اختیار بوکھلا کر اس نے فوراً ہی میرا ہاتھ چھوڑ دیا تھا اور میں اس پر نظر ڈالے بغیر اپنے کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔

اس واقعے کے بعد سے اس نے بھی پھر دوبارہ مجھ سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ان دنوں ڈیڈی اسے پڑھنے کے لیے امریکہ بھیجنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس لیے وہ بھی گھر پر کم ہی نکلتا تھا۔ اس واقعے کو کم و بیش مہینہ بھر ہونے کو آیا تھا۔ میں باوجود مما کے کہنے کے کالج نہیں جا رہی تھی۔ مما نے اس دن کے بعد سے دوبارہ مجھے کچھ نہ کہا تھا نہ صفائی مانگی تھی نہ برا بھلا کہا تھا بلکہ اس سارے قصے کو ایک طرح سے انہوں نے نظر انداز کرنے کی کوشش کی تھی مگر میں اپنی انسلٹ نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔ کبھی نہیں۔ میری فرینڈز کے فون آتے، میں بات کرنے سے انکار کر دیتی۔ پتا نہیں باقی سب کو میرے کالج نہ جانے کی مما نے کیا وجہ بتائی تھی کہ کسی نے بھی مجھ سے کچھ نہ پوچھا تھا۔ جتنی دیر وہ گھر پر نہ ہوتا میں سب کے ساتھ رہتی اور جیسے ہی وہ آتا میں کسی بھی بہانے سے اپنے کمرے میں بند ہو جاتی۔

☆

پھر اس مشقت سے بھی میری جان چھوٹ گئی اور وہ امریکہ چلا گیا۔ جس روز وہ جا رہا تھا گھر میں خوب رونا دھونا مچا تھا۔ مما، ممی اور دادی تینوں ہی خوب زور و شور سے رو رہی تھیں۔ میں نے مما کو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں اسے چھوڑنے ایئر پورٹ نہیں جاؤں گی۔ دادی اور میرے علاوہ باقی سب لوگ اسے سی آف کرنے ایئر پورٹ گئے تھے۔ میں اسے خدا حافظ کہنے کی بھی روادار نہ تھی اسی لیے جس وقت وہ لوگ جانے کے لیے نکل رہے تھے میں نہانے گھس گئی تھی اور جب یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ لوگ جا چکے ہیں اس وقت باتھ روم سے باہر نکلی تھی۔ اس کے جانے پر میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ میں اب اس کی منحوس صورت زندگی بھر نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

اس کے جانے کے بعد دادی بے حد اداس رہنے لگی تھیں۔ اٹھتے بیٹھتے اسی کا ذکر لے کر بیٹھ جاتیں۔ اگر انہیں پتا چل جاتا کہ میں ان کے لاڈلے کے جانے پر جشن منا رہی ہوں تو وہ مجھے کچا چبا جاتیں۔ میرے امتحانوں میں صرف تین مہینے رہ گئے تھے اور میری کوئی تیاری نہ تھی۔ سارا سال تو ہم لوگوں نے کھیل تماشوں میں گزار دیا تھا۔ مما نے مجھے کالج جانے کے لیے مجبور کیا تو میں بالآخر مان گئی۔ کالج میں وہ لوگ والہانہ انداز میں میری طرف بڑھی تھیں مگر میں نے کسی سے بھی بات نہ کی تھی۔ میری بے رخی پر وہ لوگ چپ سی ہو گئی تھیں۔

میں بڑی توجہ اور لگن سے پڑھائی کرنے لگی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ مما کو مجھ سے اب کبھی کوئی شکایت ہو۔ مجھے ان کی نظروں میں سرخرو ہونا تھا اور اپنا اعتبار بحال کروانا تھا اس لیے میں دن رات ایک کر کے پڑھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ کبھی کبھار مما ہی مجھے ٹوک دیتی تھیں۔

''تابی بیٹا! تھوڑی دیر سو جاؤ۔'' یا ''تابی! تھوڑا آرام کر لو کب سے پڑھ رہی ہو۔'' مگر مجھ پر ایک عجیب سا جنون سوار ہو گیا تھا۔ مجھے اب خود کو ثابت کر کے دکھانا تھا کہ میں نکمی، ناکارہ اور نالائق نہیں ہوں۔ میں مما کے لیے فخر کا باعث بننا چاہتی تھی۔ مجھے اس دن کا شدت سے انتظار تھا جب میں اس قابل ہو سکوں کہ مما کہہ اٹھیں۔

''تابی! میری بہت پیاری اور ذہین بیٹی ہے، مجھے اپنی بیٹی پر ناز ہے۔'' اور یہ جملہ سننے کے لیے میں انتھک محنت کر رہی تھی۔

امتحان شروع ہوئے اور پھر ختم بھی ہو گئے۔ ہم لوگ سیکنڈ ایئر میں آ گئے۔ کلاسیں شروع ہو گئیں۔ میرا اپنی دوستوں سے ابھی بھی وہی رویہ تھا۔ وہ میرے پاس آتیں میں رسمی سا ہیلو کہہ کر ہاتھ ملاتی اور وہاں سے چل دیتی۔ پھر رفتہ رفتہ مجھے احساس ہوا کہ میرا رویہ درست نہیں ہے۔ دوستوں نے میرے گلے پر چھری رکھ کر تو مجھے مجبور نہیں کیا تھا کہ عمر کو ضرور ہی کارڈ دو۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ میں خود ہی ان ساری باتوں کے لیے دل و جان سے آمادہ ہو گئی تھی۔ اپنی غلطی کا احساس ہوا تو میں نے ان لوگوں سے اپنے رویئے کی معذرت کی اور ہم سب پھر پہلے کی طرح اچھی فرینڈز بن گئیں۔ ''اس دن'' کے بارے میں ان لوگوں کی پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی مگر سب کو تجسس بھی ہوتا تھا۔ میری ناراضی کے خوف سے کوئی کچھ پوچھتا نہ تھا۔

میں نے خود ہی مختصر ترین الفاظ میں تھوڑا بہت سنسر کر کے ان لوگوں کو اس دن کا احوال سنا دیا تو فرحانہ نے مجھ سے بہت معافی مانگی کہ اس کی وجہ سے مجھے اتنی شرمندگی اٹھانی پڑی۔ وہ بے چاری باقاعدہ رو پڑی تھی۔ میں نے اسے چپ کروایا اور کہا کہ اس سارے قصے میں اس کا یا کسی اور کا کوئی قصور نہیں۔ غلطی میری تھی اور اب میں اس ٹاپک پر کوئی بات کرنا نہیں چاہتی اور پھر واقعی ہم دوستوں نے دوبارہ کبھی اس موضوع پر کچھ نہیں کہا۔

☆

انٹر کے امتحان کے فوراً بعد فرحانہ کی شادی ہو رہی تھی۔ میں تو مما کے خوف سے شادی میں شرکت نہ کر سکی باقی تینوں شادی میں گئی تھیں۔ پھر اس کے بعد ہمارا اس سے کبھی کوئی رابطہ نہ ہوا۔ تھرڈ ایئر میں ایڈمشن کا وقت آیا تو مما نے پہلی مرتبہ مجھے میری پسند کے مضامین اختیار کرنے کے لیے کہا مگر میں نے انکار کر دیا۔ مجھے اب ضد سی ہو گئی تھی کہ سائنس ہی پڑھنی ہے اور اسی میں خود کو ثابت کر کے دکھانا ہے۔ لبنیٰ اور وردہ نے تو سائنس پڑھنے کے نام پر کان پکڑ کر توبہ کی تھی اور ہمارے ہی کالج میں بی اے میں داخلہ لے لیا تھا جبکہ میں نے اور ارم نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ ارم بھی بی اے آنرز کر رہی تھی۔ صرف میں مستقل مزاجی سے اپنے محاذ پر ڈٹی ہوئی تھی۔

وقت بڑی سبک رفتاری سے گزر رہا تھا۔ لبنیٰ اور وردہ کی بی اے کرتے ہی آگے پیچھے شادیاں ہو گئی تھیں۔ جن میں میں نے اور ارم نے بھرپور شرکت کی تھی۔ لبنیٰ اپنے شوہر کے ساتھ کینیڈا چلی گئی تھی جبکہ وردہ یہیں کراچی میں تھی اور کبھی کبھار ہی اس سے فون پر بات ہو پاتی تھی۔

پھر ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی ارم ایم اے انگلش اور میں ایم ایس سی میتھمیٹکس کر کے فارغ ہوئی تھیں۔ جس روز یونیورسٹی کا آخری دن تھا اس دن ارم کے گھر اس کے کلاس فیلو شہباز چودھری کی والدہ اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر چلی آئیں اور ارم حیران رہ گئی کہ میری تو اس سے بحیثیت کلاس فیلو بھی کبھی بات چیت نہ ہوئی تھی۔ منگنی کے بعد پتا چلا کہ موصوف یونیورسٹی کے پورے چار سال ارم کے عشق میں مبتلا رہے ہیں اور یوں ارم کا وہ شکوہ

بھی دور ہو گیا تھا کہ میں کسی کو نظر کیوں نہیں آتی۔ دو مہینے بعد اس کی شادی ہونے والی تھی اور آج کل وہ اپنی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھی۔

رہ گئی میں تو ان چھ سالوں میں میں بہت بدل گئی تھی۔ مما اور دادی جن کو ہمیشہ مجھ سے شکایتیں رہی تھی، اب مجھ سے بہت خوش تھیں۔ مما خوش تھیں کہ ان کی بیٹی نے ان کا نام نہیں ڈبویا اور کچھ پڑھ لکھ کر آخر کار دکھا ہی دیا اور دادی یوں خوش تھیں کہ اب میں ان کی پسند کے سانچے میں ڈھل گئی تھی۔ بہت سگھڑ اور گھر داری کی شوقین۔ یہ گھر داری اور کھانا پکانے کا شوق بھی اچانک ہی میرے اندر پیدا ہو گیا تھا اور وہ تمام احباب جو میرے مستقبل سے مایوس اور ناامید رہا کرتے تھے اب مجھ سے بہت خوش تھے۔ پاکستانی، انڈین، چائنیز اور اٹالین کھانے بنانے تو میں نے ممی سے سیکھ لیے تھے اور اب فراغت کے ان دنوں میں بیکنگ اور فلاور ارینجمنٹ کے کورسز ''رنگوں والا'' سے کر رہی تھی۔

''فاطمہ! چاول تابی سے دم دلوانا، اس کے ہاتھ سے چاول بیٹھتا نہیں۔'' دادی ممی سے کہتیں یا پاپا مما سے کہتے۔

''تم رہنے دو کوفتے تابی بنائے گی۔'' پاپا تو میرے علاوہ اب کسی اور کے ہاتھ کی بنی چائے پینا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

پاپا اور ڈیڈی کا مشترکہ خیال تھا کہ تمام خواتین بشمول دادی کو کچن سے ریٹائرمنٹ لے لینی چاہیے۔ اپنے لیے ایسے کمنٹس مجھے بہت خوش کرتے تھے اور میں اور زیادہ لگن سے نئی سے نئی چیزیں بنا کر سب کو کھلایا کرتی اور خوب داد وصول کرتی۔ آج کل کچن مکمل طور میرے کنٹرول میں تھا۔

عمران چھ سالوں میں کبھی پاکستان نہیں آیا تھا۔ ہر سال چھٹیوں میں وہ اپنے دوستوں کے ساتھ کہیں نہ کہیں گھومنے چلا جاتا اور میں سکون کا سانس لیتی تھی۔ ڈیڈی اور مما خود ہی سال میں ایک مرتبہ جا کر اس سے مل آتے تھے۔ ایک مرتبہ دادی بھی ان کے ساتھ جا کر لاڈلے پوتے کا دیدار کر آئی تھیں۔ چھ سال وہ یہاں سے دور رہا تھا مگر گھر والوں کے دلوں سے وہ کبھی دور نہ ہوا تھا۔ دادی آج بھی اس سے ویسا ہی عشق کرتی تھیں۔ بس لاڈلے پوتے کی ضد کے آگے مجبور ہو گئی تھیں جوان برسوں میں بزنس ایڈمنسٹریشن اور انفارمیشن ٹیکنالوجی میں پتا نہیں کون کون سی ڈگریز لے کر اپنی قابلیت میں مزید اضافہ کر چکا تھا۔ ان کا بس چلتا تو اسے اپنے سے کبھی دور نہ جانے دیتیں۔ ان چھ سالوں میں شاید اس نے چھ مرتبہ ہی یہاں فون کیا ہو، وجہ یہ تھی کہ اسے موقع ہی نہیں دیا جاتا تھا۔

کبھی دادی کو پوتا بے طرح یاد آتا، کبھی ممی یا مما کو اس کی بہت یاد ستاتی، کبھی کسی اور کو وہ یاد آتا اور یوں تقریباً ہر دوسرے روز اسے فون کھڑکایا جاتا تھا۔ کبھی اگر اتفاق سے اس کا فون آیا بھی تو خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ میں نے فون ریسیو نہیں کیا۔ میں کرنا بھی نہیں چاہتی تھی یہاں سے کسی فنکشن کی یا کسی اور موقع کی تصاویر اسے بھیجی جاتیں تو میں سب کی نظر بچا کر وہ تصویریں نکال لیتی جن میں میں بھی ہوتی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ یہ سمجھے کہ میں نے اپنی تصویریں جان کر بھیجی ہیں۔ مجھے اس کی ذہنیت کا اچھی طرح اندازہ تھا۔

ان گزرے برسوں میں میں کافی میچیور ہو گئی تھی۔ مجھے اب اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتا تھا کہ اس روز مما کا رویہ میرے ساتھ بالکل ٹھیک تھا۔ سولہ سال کی عمر عشق اور محبت جیسے فضول کاموں کے لیے بڑی نامناسب ہے مگر اپنی تمام تر سمجھ داری کے باوجود میں اسے معاف کرنے کے لیے ہرگز بھی تیار نہ تھی۔ اس کے لیے میرے دل میں آج بھی نفرت تھی، بے حد اور بے حد اور بے اندازہ۔ میں اس کی طرف سے اپنا دل صاف کر ہی نہیں سکتی تھی۔ میری زندگی میں وہ وقت کبھی نہیں آ سکتا تھا جب میں اس سے ہاتھ ملاؤں اور پچھلی تمام باتیں بھول جاؤں۔

اس کی پڑھائی تو چار پانچ مہینے ہوئے ختم ہو چکی تھی مگر وہ سب کے بے حد اصرار کے باوجود بھی آنے میں ٹال مٹول کر رہا تھا۔ سب ہی اسے واپسی کا کہہ کہہ کر تھک چکے تھے۔ وہ ہر بار کوئی نیا بہانا تراش دیتا اور میں سوچتی کہ یقیناً اس نے وہاں کسی امریکن سے یا کسی سے بھی شادی وادی کر لی ہے اور اب اس کا واپسی کا کوئی ارادہ ہی نہیں ہے اور اپنی یہ سوچ مجھے بہت خوشی فراہم کرتی۔ دادی جو پوتے کے سر پر سہرا دیکھنے کی آرزو میں دن گن گن کر گزار رہی ہیں اس کی شادی کا سنیں گی تو اسے کبھی معاف نہیں کریں گی۔ اپنی تمام تر میچیورٹی کے باوجود میں آج بھی اسے سب کی نظروں سے گرتا ہوا دیکھنا چاہتی تھی۔ بتایا نا میں بڑی کینہ پرور اور منتقم مزاج ہوں مگر وہ ایک مرتبہ پھر میرے تمام اندازوں کو غلط ثابت کرتا ہوا واپس آ گیا تھا، وہ بھی بالکل اچانک۔

☆

اس کے بارے میں سوچتے سوچتے شاید میری آنکھ لگ گئی تھی۔ مریم کی تیز آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی تو میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''آپی! کھانا لگ گیا ہے، جلدی سے نیچے آ جائیں۔'' وہ میرے گھورنے کی پرواہ کیے بغیر بڑے آرام سے چیختی چلاتی واپس چلی گئی تو میں بیڈ پر سے اتر گئی اور خود کو اس کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرنے لگی۔

اس کے آنے کا سن کر موڈ ایسا خراب ہوا تھا کہ کپڑے بدلے بغیر ہی لیٹ گئی تھی۔ خود میں اس کا سامنا کرنے کی ہمت پیدا کرتے ہوئے جلدی جلدی منہ ہاتھ دھو کر بالوں میں برش چلایا اور دوپٹہ ٹھیک کرتی سیڑھیاں اترتی ڈرائینگ روم میں داخل ہوئی۔ میز کے گرد گھر کے تمام افراد ہی کرسیاں سنبھالے بیٹھے تھے۔ ماحول بڑا خوشی سے بھرپور محسوس ہو رہا تھا۔ سب ہی کچھ نہ کچھ بول رہے تھے۔ مجھے آتا کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ میں خاموشی سے آگے بڑھی اور اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بطور خاص کسی کا بھی نام لیے بغیر سلام کیا۔ وہ جو دادی سے کچھ کہہ رہا تھا ایک دم میری طرف متوجہ ہوا اور سلام کا جواب فوراً یوں دیا جیسے میں نے خاص طور پر اسے ہی سلام کیا تھا۔ میری طرف بڑے غور سے دیکھتا ہوا کہنے لگا۔

''کیسی ہو تابی؟'' میں نے بڑی سرسری سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور بولی۔

''ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟'' لہجہ بڑا فارمل سا رکھنے کی میں نے پوری کوشش کی تھی۔ ایک لمحے کو وہ شاید میرے ''آپ'' پر حیران ہوا اور پھر فوراً ہی اپنی حیرانی چھپا کر بولا۔

''ٹھیک ہوں میں بھی۔'' پھر اس کے بعد ہمارے درمیان اور کوئی بات نہ ہوئی۔ میں نے تو اس سرسری سی نظر کے بعد اس کی طرف دوبارہ دیکھا بھی نہیں تھا۔ کھانے کے بعد سب لوگ لاؤنج میں ہی آ کر بیٹھ گئے۔ اسے اپنے درمیان بٹھائے ہر کوئی اس سے کچھ نہ کچھ بات کر رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ محبتوں کے معاملے میں بڑا خوش قسمت تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جنہیں سب چاہتے ہیں۔ وہ چاہے جاتے ہیں اور بے حد اور بے حساب۔ گھر میں ایک دم جیسے رونق سی ہو گئی تھی۔

میں سب کے چہروں پر پھیلی خوشیوں کے رنگ دیکھ رہی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ دوبارہ کسی بھی قسم کی خوش فہمی کا شکار ہو اس لیے سب لوگوں کے ساتھ میں بھی لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی۔ کسی کو خاص طور پر نظر انداز کرنے کا مطلب ہوتا ہے کہ ہم در پردہ اسے بہت اہمیت دیتے ہیں اور میں

اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ میرے لیے ہرگز بھی اہم نہیں ہے۔ وہ بس میرے لیے ایک عام سا آدمی ہے جس سے میں اخلاقاً دو چار باتیں کر سکتی ہوں مگر جس کی میرے لیے قطعاً کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میں خاموشی سے بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ گاہے بگاہے ایک نظر سب لوگوں پر بھی ڈال لیتی تھی مگر کوئی میری طرف متوجہ نہ تھا۔ ایک آدھ مرتبہ اتفاقاً اس پر بھی نظر پڑی تو وہ کسی نہ کسی سے بولتا ہوا ہنستا مسکراتا نظر آیا۔ اتنے سالوں میں وہ بھی کافی تبدیل ہو گیا تھا اور اب جو میرے سامنے تھا وہ ایک گریس فل اور سوبر سا بندہ نظر آ رہا تھا۔ محفل برخاست ہوئی تو میں بھی سب کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

اگلے روز وہ بارہ بجے سو کر اٹھا تو پاپا، ڈیڈی اور مریم اپنے اپنے دھندوں پر روانہ ہو چکے تھے۔ تینوں خواتین بے چینی سے بیٹھی اس کے جاگنے کا انتظار کر رہی تھیں جبکہ میں کچن میں گھسی لنچ کے لیے کھڑے مسالے کا قیمہ اور یخنی پلاؤ پکانے میں مصروف تھی۔ اسے لاؤنج میں داخل ہوتا میں نے کچن ہی سے دیکھ لیا تھا۔ اسی وقت دادی کی آواز آئی۔

''تابی! عمر کے لیے ناشتہ لاؤ۔'' اب مجھے یہ تو پتا نہیں تھا کہ دادی کے لاڈلے ناشتے میں کیا تناول فرمائیں گے اسی لیے کھولتے ہوئے دماغ کے ساتھ کچن سے نکل آئی۔ اس کی خدمتیں کرنے اور اسے کچھ پکا کر کھلانے سے مجھے سخت چڑ ہو رہی تھی مگر مجھے اپنے رویے پر قابو رکھنا تھا اس لیے غصہ دباتی دوپٹے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے لاؤنج میں آ گئی اور اس سے بولی۔

''کیا کھائیں گے آپ؟''

''بارہ بج گئے ہیں اب تو لنچ ٹائم ہونے والا ہے، سب کے ساتھ کھانا ہی کھاؤں گا، ایسا کرو صرف چائے لے آؤ۔'' اس کے جواب پر میں پلٹ کر کچن کی طرف جانے لگی تو پیچھے سے دادی کی آواز سنائی دی۔

''نہ بچے! خالی پیٹ چائے اچھی نہیں ہوتی، تابی! ایسا کرو اورنج جوس لے آؤ۔'' دادی اس کے نخرے چھوٹے بچوں کی طرح اٹھا رہی تھیں۔ میں نے جوس بنا کر برکت کے ہاتھ بھجوا دیا اور خود دوبارہ اپنے کام میں لگ گئی۔

دو بجے میری کلاس ہوتی تھی اس لیے میں جلدی جلدی کام نمٹا کر تیار ہونے کمرے میں چلی گئی۔ کاٹن کا کلف لگا خوب اسٹائلش ریڈ اور یلو کلر کا سوٹ پہنا۔ شولڈرز سے ذرا نیچے آتے بالوں کو برش کر کے یونہی کھلا چھوڑ دیا۔ ہلکی سی لپ اسٹک لگائی۔ بیگ کاندھے پر ڈالا اور سن گلاسز لگاتی گاڑی کی چابیاں اٹھائے نیچے آئی تو لاؤنج میں ابھی تک دادی پوتا راز و نیاز میں مصروف تھے۔

''دادی! میں جا رہی ہوں، خدا حافظ۔'' میں نے ایک لمحے کو رک کر دادی سے کہا۔ وہ بڑی بے نیازی سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ایک نگاہ بھی میرے اوپر نہ ڈالی تھی۔

''جاؤ بیٹا، اللہ کی امان میں۔'' دادی نے جواب دیا اور میں پورچ کی طرف چلی گئی۔

رات کو میں سونے کے لیے لیٹنے ہی لگی تھی کہ مریم زوردار دھماکے سے دروازہ کھولتی اندر آ گئی۔

''آپی! دیکھیں عمر بھائی میرے لیے کیا کیا چیزیں لائے ہیں۔'' وہ جوش و خروش کا مظاہرہ کرتی بہت ساری چیزیں میرے سامنے رکھنے لگی۔

''یہ دیکھیں پرفیوم، یہ کٹ کیٹ کے پورے دو ڈبے اور یہ شیفر کا فاؤنٹین پین اور سب سے قیمتی گفٹ تو یہ کیمرہ ہے، غور سے دیکھیں یاشیکا

ہے وہ بھی اوریجنل جاپانی۔ عمر بھائی کو کیسے میری پسند یاد رہی۔ میں نے انہیں فون پر بتایا تھا کہ مجھے فوٹوگرافی کا شوق ہے اور وہ میرے لیے کیمرہ لے آئے۔'' وہ ایک ایک چیز خوشی سے دکھا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اتنی معصومیت اور بھول پن تھا کہ میں ان تمام چیزوں میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گئی۔ اس کا دل رکھنے کے لیے تمام چیزوں کی تعریفیں بھی کیں۔

''میں تو عمر بھائی سے خوب لڑی۔'' مریم کی بات پر میں نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ ''وہ آپ کے لیے کچھ نہیں لے کر آئے نا میں نے پوچھا تو کہنے لگے مجھے یاد ہی نہیں رہا۔ دیکھیں ذرا آپ کے لیے گفٹ لانا بھول گئے۔ مجھے تو بڑا غصہ آیا، میں خوب لڑی ان سے، وہ کہنے لگے کہ۔'' مریم آگے کچھ اور بھی کہنے والی تھی کہ میں چیخ اٹھی۔

''مریم! تم کب بڑی ہوگی، تمہیں اس کے سامنے یہ ساری بکواس کرنے کی کیا ضرورت تھی، بیوقوف۔ اب تم کوئی چھوٹی سی بچی نہیں ہو۔ دو مہینے بعد میٹرک کر لوگی۔ کچھ ہوش کے ناخن لو۔'' میرے غصے پر وہ سہم سی گئی اور روہانسی آواز میں بولی۔

''میں تو آپ کی حمایت میں بولی تھی اور آپ۔'' اس کی روہانسی آواز کا کوئی نوٹس لیے بغیر میں غصے سے بولی۔

''اچھا بس جاؤ یہاں سے، میرا موڈ مت خراب کرو۔'' میری ڈانٹ پر وہ ناراض ہو کر باہر چلی گئی۔ مریم کی حماقت پر خاصی دیر تک کوفت کا شکار ہونے کے بعد میرا دھیان اس کی طرف چلا گیا۔

''بہت اچھا کیا عمر فاروق جو تم میرے لیے کچھ نہیں لائے۔ اگر لاتے تو میں نے وہ چیزیں تمہارے منہ پر دے مارنی تھیں۔ شکر ہے تم نے اپنی بے عزتی نہیں کروائی۔'' سوچتے سوچتے میری آنکھ لگ گئی۔

ایک ڈیڑھ ہفتے تک وہ اپنے دوستوں اور رشتے داروں سے ملنے ملانے میں لگا رہا۔ روزانہ صبح نکلتا تو رات گئے واپس آتا۔ خاندان میں بھی کافی لوگوں نے اس کی دعوتیں کی تھیں۔ اس لیے اس دوران وہ گھر پر کم ہی ٹکا۔ میری تو اتنے دنوں میں تین چار مرتبہ ہی اس سے ملاقات ہوئی وہ بھی سرسری سی، رسمی سی ہائے ہیلو اور بس۔ دعوتوں کا سلسلہ ختم ہوا تو ممی ڈیڈی نے بیٹے کی کامیاب و کامران واپسی کی خوشی میں فنکشن ارینج کیا۔ مجھے اور مریم کو ممی نے فنکشن کے لیے ہماری پسند کے کپڑے بنا کر دیے۔

میریٹ کے پول سائڈ پر فنکشن کا اہتمام کیا گیا تھا۔ میں نے وائٹ کلر کی نیٹ کی شرٹ اور وائٹ ہی چوڑی دار پاجامہ پر نیٹ ہی کا لمبا سا دوپٹہ لیا تھا۔ بالوں کو کھلا چھوڑ دیا تھا۔ مناسب قسم کے میک اپ کے ساتھ میرا خیال تھا کہ میں ٹھیک ٹھاک لگ رہی ہوں۔ مریم نے چنری پرنٹ کا گرین اور پرپل کومبینیشن کا شرارہ پہنا تھا۔ ہم دونوں نے تیاری میں دیر لگا دی تو باقی سب لوگ چلے گئے صرف پاپا ہماری وجہ سے رک گئے۔ پاپا کے ساتھ ہم دونوں ہوٹل پہنچے تو ڈیڈی اور عمر مہمانوں کا استقبال کرنے کے لیے سامنے ہی کھڑے ہوئے تھے۔ ہم لوگ ان کے پاس پہنچے تو مریم چہکی۔

''عمر بھائی! بتائیں ہم دونوں میں سے کون زیادہ اچھا لگ رہا ہے؟'' میرا دل چاہا کہ مریم کا سر پھاڑ دوں۔ میں جتنی ریزرو رہنے کی کوشش کرتی ہوں یہ اتنا ہی مجھے ہر بات میں گھسیٹتی ہے۔ عمر کے کوئی جواب دینے سے پہلے ہی میں آگے بڑھ گئی اور سب لوگوں سے ملنے لگی۔

عمر فنکشن میں سارا وقت اپنے دوستوں اور کزنز کے ساتھ مصروف رہا۔ میری طرف تو اس نے شاید دیکھا بھی نہیں تھا۔ چھوٹی پھپھو کی ماریہ

سے البتہ اس کی کافی باتیں ہو رہی تھیں۔ میرا موڈ بہت بری طرح آف ہو چکا تھا۔ رات گئے تقریب ختم ہوئی اور ہم لوگ گھر لوٹے، سونے سے پہلے میں مریم کی کلاس لینا نہیں بھولی۔ میری ڈانٹ تھوڑی دیر تو وہ خاموشی سے سنتی رہی پھر بگڑ کر بولی۔

''ایسا میں نے کیا کہہ دیا ہے جس پر آپ اتنا خفا ہو رہی ہیں۔ اس دن بھی خوامخواہ ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا کر مجھے اتنا ڈانٹا تھا۔'' وہ کوئی میرے جیسی معصوم سی بچی تو تھی نہیں جو خاموشی سے ڈانٹ سن لیتی، اس کی بات پر میں نے خاصا برا سا منہ بنا کر کہا۔

''بس مجھے اپنا ڈسکس کیا جانا اچھا نہیں لگتا۔'' وہ میرے برا ماننے پر کچھ دوستانہ انداز میں پوچھنے لگی۔

''آپی! آپ اور عمر بھائی آپس میں بالکل بھی بات نہیں کرتے، اتنے ریزرو اور فارمل طریقے سے رہتے ہیں جبکہ آپ لوگوں کا تو سارا بچپن اکٹھے گزرا ہے اور مجھے تو دادی بتا رہی تھیں کہ بچپن میں آپ لوگ ہر وقت ایک دوسرے سے لڑتے رہتے تھے بلکہ تھوڑا بہت تو مجھے بھی یاد ہے۔ اب تو لگتا ہی نہیں ہے کہ آپ دونوں فرسٹ کزنز ہیں۔'' اس کی حیرت کے جواب میں میں نے کندھے اچکا کر لاپرواہی سے کہا۔

''اب ہم بچے نہیں ہیں جو بلاوجہ لڑتے رہیں اور جہاں تک ریزرو رہنے کی بات ہے تو تمہیں پتا ہے میری نیچر نہیں ہے زیادہ گھلنے ملنے کی۔''

پتا نہیں مریم کی طرح اس بات کو کسی اور نے بھی محسوس کیا تھا یا نہیں مگر کسی نے مجھ سے کچھ کہا نہیں تھا۔ رات کھانے کے بعد میں کچن میں کچھ سمیٹا سماٹی میں مصروف تھی جب مریم میرے پاس آئی اور بولی۔

''آپی! عمر بھائی ہم لوگوں کو آئس کریم کھلانے لے جا رہے ہیں، جلدی سے تیار ہو جائیں۔'' اس کی گرم جوشی کے جواب میں میں فریزر میں منہ ڈالے ڈالے ہی بولی۔

''تم چلی جاؤ، میرا موڈ نہیں ہے۔''

''کیا ہے آپی! چلیں ناں، اتنا مزہ آئے گا، آپ تو بالکل ہی ڈل اور بور ہو گئی ہیں۔'' وہ میری منت کرنے لگی تو میں پیار سے سمجھانے والے انداز میں بولی۔

''مریم جان! تم چلی جاؤ سویٹ ہارٹ! مجھے ابھی کچن میں بہت دیر لگے گی اور پھر میں نے عشاء کی نماز بھی نہیں پڑھی۔'' میری معصوم بہن اسے میرے بغیر کوئی تفریح کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اسے جواب دے کر میں نے فریزر بند کیا اور دھلے ہوئے برتن خشک کرنے لگی۔ اس وقت عمر کچن کے دروازے کے پاس آ کر مریم سے بولا۔

''چلیں مریم؟'' مجھے مکمل طور پر نظر انداز کیے وہ بڑی محبت سے مریم سے مخاطب تھا۔

''بھاڑ میں جاؤ، یہاں تمہارے ساتھ جانے کے لیے مر کون رہا ہے۔'' اس کی بے نیازی پر اپنی انسلٹ محسوس کرتے ہوئے میں نے دل ہی دل میں اسے دو چار گالیوں سے نوازا۔ میرے انکار پر مایوس ہوتی مریم عمر کے ساتھ چلی گئی۔

کچن سے فارغ ہو کر میں نے عشاء کی نماز پڑھی اور پھر دادی کے کمرے میں آ گئی۔ روز رات کو میں ان کے پیروں پر تیل کی مالش کرتی تھی۔ میرے اور دادی کے درمیان موجود تمام اختلافات اب دور ہو چکے تھے۔ اب میں بھی دادی کی پسندیدہ بن چکی تھی۔ میں تیل مل رہی تھی جب ممی

بھی وہی آ کر بیٹھ گئیں۔ ہم تینوں بیٹھے بڑی مزے دار باتیں کر رہے تھے جب عمر اور مریم اندر داخل ہوئے۔ وہ ابھی ابھی واپس آئے تھے۔ مریم نے میرے ہاتھ میں آئس کریم کا لیٹر پیک پکڑایا۔ میں نے لے کر لا پرواہی سے سائیڈ میں رکھ دیا اور دوبارہ دادی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ مریم بھی دادی کے بیڈ پر چڑھ کر بیٹھ گئی جبکہ عمر سامنے صوفے پر براجمان ہو گیا۔

''کھالو، پگھل جائے گی۔'' دادی نے مجھے ٹوکا۔

''دادی! میں برش کر چکی، کل کھالوں گی۔'' میں نے بڑی بے توجہی سے جواب دیا۔ ہونہہ اس کمینے کا لایا ہوا تو میں آبِ حیات بھی نہ پیوں۔ میں نے خود سے کہا۔ میں بدستور دادی کے پیر دبانے میں مصروف تھی۔ آخر اسے بھی تو پتا چلنا چاہیے کہ اب میرے اور دادی کے سفارتی تعلقات مستحکم ہو چکے ہیں اور پاکستان اور امریکہ دوستی کے بیچ اب بھارتی پروپیگنڈا ہرگز کامیاب ہونے والا نہیں۔

''دادی! اب ہمارے گھر میں شادی ہونی چاہیے۔ مجھے اتنا شوق ہے کہ ہمارے گھر میں مایوں، مہندی ہو۔ میں ڈھول بجاؤں اور لڈی ڈالوں۔ بس آپ ایسا کریں، عمر بھائی کی شادی کر دیں۔ بھابھی آئیں گی تو گھر میں کتنی رونق ہو جائے گی۔'' مریم دادی سے مخاطب ہوئی تو میرا دل جل کر خاک ہو گیا۔ مجھے اپنی بہن کا اس سے اتنا التفات ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔

''ہاں بیٹا! اللہ وہ دن ساتھ خیریت کے لائے۔ میں تو اب تم لوگوں کی خوشیاں دیکھنے کے لیے ہی جی رہی ہوں۔'' دادی نے خوش ہو کر اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ مریم بڑے پر جوش انداز میں بولی۔

''بس پھر ہم لوگ عمر بھائی کے لیے لڑکیاں دیکھنا شروع کر دیتے ہیں یا آپ اپنی پسند سے کریں گے؟'' بات کے اختتام پر وہ عمر کی طرف متوجہ ہوئی جو اس کی باتوں پر مسکرا رہا تھا۔

''بتائیں ناں؟'' مریم نے اسے بولنے کے لیے اکسایا تو سنجیدگی سے بولا۔

''ابھی میں نے کچھ سوچا نہیں ہے۔'' مجھے پتا تھا اس وقت وہ ایکٹنگ کر رہا ہے ورنہ اپنی زندگی کے اتنے اہم موڑ کے بارے میں کیا اس نے کچھ سوچا نہیں ہو گا۔

''بیٹا! اور کب سوچو گے، میں تو اس دن کے انتظار میں دن گن گن کر گزار رہی ہوں۔'' دادی نے اس سے کہا۔ دادی کی بات پر وہ مسکرایا اور بولا۔

''اچھا، میں آپ کی پسند سے شادی کروں گا، لیکن ابھی نہیں کچھ عرصے بعد۔'' اللہ رے سعادت مندی۔ میں نے جل کر سوچا۔ ایسے ہی تو دادی اس پر عاشق نہیں ہیں۔ چمچہ گیری میں تو اس کا کوئی ثانی ہی نہیں ہے۔ دادی پوتے کی فرماں برداری پر خوشی سے پھولی نہ سما رہی تھیں اور اسے خوب دعاؤں سے نواز اجا رہا تھا۔

''تمہیں تابی کی شادی کا کوئی ارمان نہیں؟'' ممی نے مریم سے پوچھا۔ ان کے لہجے میں موجود شرارت میں اصاف محسوس کر گئی تھی۔

''شوق اور ارمان تو بہت ہے مگر کیا کریں، ان کی پسند کا بندہ اس روئے زمین پر ملنا تو مشکل ہے۔ ایک ہی شخص میں اتنی ساری خصوصیات

کیسے پائی جاسکتی ہیں۔ بندہ ہینڈسم بھی ہو، قابل بھی ہو، اس کا سینس آف ہیومر بھی اچھا ہو، پیسے والا بھی ہو اور اس کے علاوہ کیئرنگ بھی ہو۔ اچھے اچھوں کو یہ گھاس نہیں ڈالتیں تو ہم شوق رکھ کر کیا کریں۔'' مجھے مریم کی فضول بکواس بھی اس کمینے کے سامنے زہر لگ رہی تھی۔ اس لیے تیل کی شیشی بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئی اور کمرے سے باہر جانے لگی۔

''تم کہاں چلیں؟ بیٹھو بھئی۔'' ممی نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

''آپی شاید اپنی شادی کی بات پر شرما گئی ہیں۔'' مریم کی بکواس پر غصے سے کھولتی میں کچھ بھی بولے بغیر باہر نکل گئی۔

☆

عمر نے باقاعدگی کے ساتھ پاپا اور ڈیڈی کے ساتھ آفس جانا شروع کر دیا تھا۔ آج کل وہ صبح کا گیا رات کو واپس آتا تھا۔ پاپا اور ڈیڈی اس کی کارکردگی سے بہت خوش تھے اور بزنس میں اس کے اتنے زیادہ دلچسپی لینے پر کافی حد تک ریلیکس بھی ہو گئے تھے۔

دادی حسبِ عادت اس کی فکر میں مبتلا رہتیں کہ ''میرا بچہ اتنا کام کر کے تھک جاتا ہوگا، یا کیا ضرورت ہے اتنی جان ماری کی آخر پہلے بھی کاروبار چل ہی رہا تھا۔'' وغیرہ۔

☆

اس روز شناء کی شادی کی تاریخ رکھی جانی تھی۔ اس لیے میرے اور ڈیڈی کے علاوہ گھر کے تمام افراد پھپو کے گھر گئے ہوئے تھے۔ میں ایک تو کچھ تھکی ہوئی بھی تھی اور دوسرے میرا موڈ بھی نہیں تھا اس لیے ڈیڈی کے ساتھ رک گئی تھی۔ عمر ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ رات کا کھانا کھا کر ڈیڈی اپنے کمرے میں چلے گئے اور میں ٹی وی کھول کر بیٹھ گئی۔ لیونارڈو کی دا بیچ آ رہی تھی اور میں مکمل طور پر فلم میں مگن ہو چکی تھی۔ ہیرو اور ہیروئن قابلِ اعتراض حد تک ایک دوسرے کے قریب بیٹھے ہوئے تھے جب لاؤنج کا دروازہ کھول کر عمر اندر داخل ہوا، اسے آتا دیکھ کر میں نے بے ساختہ انداز میں فوراً ہی ریموٹ سے چینل بدل کر بی بی سی لگا دیا۔

اپنی بے اختیاری پر مجھے خود بہت غصہ آیا، کیا میں اب بھی چھوٹی سی بچی ہوں جس کی وہ مما سے شکایت کر دے گا کہ ''چھوٹی ممی یہ موٹی ٹی وی پر پتا ہے کیا دیکھ رہی تھی۔'' میرے سلام کا جواب دیتا ہوا وہ میرے برابر والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ پتا نہیں اس نے مجھے چینل بدلتے دیکھا تھا یا نہیں میں اس کے چہرے سے کوئی بھی اندازہ لگانے میں ناکام تھی۔

''کیا بات ہے، بڑا سناٹا ہے، سب لوگ کیا کہیں گئے ہوئے ہیں؟'' گھر میں پھیلی خاموشی محسوس کر کے وہ بولا تو میں نے مختصر لفظوں میں سب کی غیر موجودگی کا سبب بتایا اور پھر مما کی ہدایات کے پیشِ نظر اس سے کھانے کا پوچھا۔

''آپ کھانا کھائیں گے؟''

''ہاں پلیز! بڑی شدید بھوک لگ رہی ہے۔'' وہ ایک نظر میرے اوپر ڈال کر بولا، میں کچن میں آ گئی۔ آج میں نے مچھلی فرائی کی تھی اور چائنیز رائس بنائے تھے۔ مجھے پتا تھا عمر کو سی فوڈ کتنے پسند ہیں۔ میں اور اس کی خاطریں کروں اسے پکا پکا کر ٹھنساؤں، میرا دماغ کھولنے لگا۔

دوپہر میں دادی کے لیے میں ان کے من پسند پیاز کریلے پکائے تھے۔ میرے ذہن میں اچانک ہی ایک شیطانی منصوبہ آیا تو میں نے مچھلی اور چاول دونوں جلدی سے فریزر میں رکھ دیئے۔ خوب ڈونگہ لبالب بھر کر کریلے نکالے۔ کچن ٹیبل پر کریلوں کا ڈونگہ، سلاد کا پیالہ اور ہاٹ پاٹ رکھ کر بے تابی سے اس کا انتظار کرنے لگی۔ وہ کپڑے چینج کر کے کچن میں آ گیا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ میں یہ تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی تھی اس لیے جان کر دو چار کیبنٹس میں سے سامان نکال اس طرح پوز کرنے لگی جیسے کچھ ڈھونڈ رہی ہوں۔ اس کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تغیر واقع نہ ہوا تھا۔ وہ بغیر کوئی حیرانی یا ناپسندیدگی ظاہر کیے پلیٹ میں کریلے نکالنے لگا۔ ہاٹ پاٹ میں سے روٹی نکال کر وہ کریلے یوں کھانے لگا جیسے اس سے اچھی نعمت اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسے دیکھتی، وہ بڑی رغبت سے کھاتا ہوا نظر آتا اور تو اور اس نے سلاد کی طرف بھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ پھر میرے دیکھتے دیکھتے وہ ایک نہ دو پوری تین روٹیاں کھا گیا پھر میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

''بڑی شدید بھوک لگ رہی تھی۔ اصل میں آج لنچ کرنے کا ٹائم بھی نہیں ملا تھا۔'' میں اپنی حیرانی چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے گردن ہلا کر فرج میں سے اس کے لیے رس ملائی نکالنے لگی جو مما نے بطور خاص اس کے لیے بنائی تھی۔ خود پر قابو پاتے ہوئے میں نے اس سے چائے کا پوچھا تو اس نے گردن ہلا دی۔ کھانا کھا کر وہ واپس لاؤنج میں جا کر بیٹھ گیا۔ میں چائے لے کر آئی تو وہ چینل بدل چکا تھا اور اب ٹی وی پر ڈانس چل رہی تھی۔ میرے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے وہ بولا۔

''تھینکس، آؤ تم بھی بیٹھو۔''

''نہیں، مجھے ابھی نماز پڑھنی ہے۔'' میں انکار کرتی اپنے کمرے میں آ گئی اور سوچتی رہ گئی کہ کیا چھ سال اتنا طویل عرصہ ہوتا ہے کہ بندے کی پسند ناپسند سب بدل جائے۔ مجھے معلوم تھا میری طرح کریلے اسے بھی زہر لگتے ہیں مگر آج اس نے مجھے حیران کر دیا تھا۔

☆

کچن میں رول بناتے ہوئے میں بڑے سریلے انداز میں گنگنا رہی تھی۔

''وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا، اب اس کا حال سنائیں کیا۔''

مجھے اپنے پیچھے کچھ کھٹر پٹر کی آواز سنائی دی تو مڑ کر دیکھا اور دھک سے رہ گئی۔

عمر کیبنٹ کھولے اس میں کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ میں زبان دانتوں تلے دبائے کچھ شرمندہ سی کھڑی تھی۔ بھلا یہ بے وقت مجھے فریدہ خانم بننے کی ضرورت کیا تھی اور ان موصوف کو بھی اس وقت یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ مجھے اپنی طرف دیکھتا دیکھ کر وہ بڑی سنجیدگی سے بولا۔

''پتی کہاں رکھی ہے؟'' میں نے آگے بڑھ کر چائے کی پتی نکال کر دے دی تو وہ چولہا جلا کر اپنے لیے چائے بنانے لگا۔

میں نے اخلاقاً بھی یہ نہیں کہا کہ لاؤ میں بنا دوں اور دوبارہ سے اپنا کام کرنے لگی۔ وہ چائے بنا کر چلا گیا تو میں نے اپنا کب کا رکا ہوا سانس بحال کیا۔ اس کے سامنے اتنا فضول گانا گانے پر مجھے خود پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ پتا نہیں وہ کیا سمجھا ہوگا۔

رات کے کھانے کے بعد میں کمرے میں بیٹھی میگ پڑھ رہی تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے کھڑے

عمر کو دیکھ کر میں اپنی حیرانی چھپا نہیں پائی۔ جب سے وہ واپس آیا تھا پہلی مرتبہ میرے کمرے میں آیا تھا۔ میری طرف بڑی مسکراتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' بڑا مہذب اور رکھ رکھاؤ والا بنا وہ مجھ سے دریافت کر رہا تھا۔ میں نے بھی ایٹی کیٹس کا مظاہرہ کرتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا ایک خوبصورت سا سرخ گلابوں سے مہکتا بکے اور خوبصورت سے پیکنگ پیپر میں لپٹا گفٹ میری طرف بڑھایا اور بولا ''یہ میں تمہارے لیے لایا ہوں، آج چودہ فروری ہے ناں، ویلنٹائن ڈے۔'' اس کی بات پر میں غصے سے پاگل ہونے لگی۔ وہ مسکراتی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

قریب تھا کہ میں وہ چیزیں اس کے منہ پر دے مارتی اور سارے ادب آداب بالائے طاق رکھ کر اسے ایسی ایسی گالیاں دیتی کہ وہ حیران رہ جاتا۔ اپنے اس خیال پر میں عمل کرنے ہی والی تھی کہ ایک اور بات میرے ذہن میں آئی۔ ایسا لگا جیسے کوئی کوندا سا لپکا ہو۔ میری برسوں پرانی آگ ٹھنڈی ہونے کا موقع قدرت مجھے خود فراہم کر رہی تھی تو میں کیوں انکار کرتی، اس لیے میں جو غصے سے لال پیلی ہونے لگی تھی۔ ایک دم چہرے کے تاثرات بدل کر مسکرانے لگی اور دونوں چیزیں اس کے ہاتھ سے لے کر بولی۔

''تھینک یو سو مچ۔'' وہ بڑے غور سے میرے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ میرے شکریہ پر وہ بے اختیار ہنس پڑا تھا۔ اس کی یہ بے موقع ہنسی میری سمجھ سے باہر تھی۔

''تابی! میں نے گھر سے دور رہ کر اتنے سال سب سے زیادہ تمہیں مس کیا ہے۔ کیا تم نے بھی مجھے مس کیا تھا؟'' اس کے محبتوں سے چور لہجے پر میرا دل چاہ رہا تھا کہ اس کا دماغ ٹھکانے لگا دوں لیکن خود پر جبر کرتی مسکراتے ہوئے بولی۔

''ہاں۔'' پھر سامنے سے ہٹتے ہوئے اس سے بولی ''آپ اندر آئیے ناں۔'' میں اسے اپنے ارادوں کی بھنک بھی نہیں پڑنے دینا چاہتی تھی۔

''نہیں، بس میں چلوں گا۔'' اس کے جواب پر میں نے سر ہلا دیا اور بولی۔

''پھولوں کا بہت شکریہ، بہت خوبصورت پھول ہیں۔'' میں نے بڑی ادا سے مسکرا کر کہا۔ آخر تھی تو اس کی کزن، اتنی مکاری تو میں بھی کر سکتی تھی۔ میری بات پر وہ بڑی شریری مسکراہٹ سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''تمہارے پسند کرنے کا بہت شکریہ۔'' وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا تو میں بیڈ پر بیٹھ کر کتنی ہی دیر تک کھولتی رہی۔ اس خبیث کی یہ جرأت مجھے ویلنٹائن ڈے پر پھول اور گفٹ دے جیسے میں تو کب سے اس کی طرف اظہارِ عشق کے لیے مری جا رہی تھی۔ گفٹ کے اوپر لگا کارڈ کھول کر پڑھا تو اس میں ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے بڑی خوبصورت باتیں لکھی ہوئی تھیں۔ گفٹ کھولنے کی میں نے ضرورت محسوس نہ کی۔

''بیٹا آج تمہیں تمہاری ساری خباثتوں کی سزا نہ دی تو تاباں فاروقی نام نہیں۔'' میں ایک عزم کے ساتھ کھڑی ہوئی۔ ہاتھوں میں بکے اور گفٹ اٹھا کر کمرے سے باہر نکلی۔ میرے تصور میں دادی کا صدمے سے چور چہرہ آ رہا تھا۔

''عمر! تمہیں شرم نہیں آئی میری معصوم پوتی سے عشق لڑاتے۔'' پھر مما سامنے آتیں عمر پر بڑی ملامتی نظریں ڈالتی ہوئی کہتیں۔

''ارے ڈائن بھی سات گھر چھوڑ دیتی ہے، تم نے اپنے ہی گھر میں نقب لگائی۔'' ڈیڈی غصے سے چیختے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے، بے حیا، بے غیرت۔ اپنے گھر کی عزت پر بری نظر ڈالتے ہو، کمینے۔'' اس کے بعد ممی اٹھتی ہیں اور ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارتی ہیں اور کہتی ہیں۔

''عمر! تم نے تو ہمیں صوفیہ اور حسان سے نظریں ملانے کے قابل بھی نہیں چھوڑا۔'' یہ خوش کن نظارا انشاء اللہ ابھی کچھ دیر بعد میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھوں گی۔ ابھی جب میں آنکھوں میں آنسو بھرے یہ تمام چیزیں جا کر ممی کو دکھاؤں گی تو یقیناً یہی سب کچھ ہوگا۔ اسے سب کی نظروں سے گرانے کی میری برسوں پرانی خواہش آج پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے گی۔ تیز قدموں سے سیڑھیاں اتر کر میں لاؤنج میں داخل ہوئی تو سب ہی وہاں موجود تھے۔

ہاں اس کی ذلت کا تماشا دیکھنے کے لیے سب کو موجود ہونا چاہیے۔ میں اسے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑوں گی۔ آج میرے انتقام کی آگ ٹھنڈی ہو جائے گی۔

ممی، دادی اور مما ایک صوفے پر بیٹھی تھیں اور پاپا اور ڈیڈی دوسرے صوفے پر جبکہ عمر اور مریم فلور کشنز پر بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ مجھے لاؤنج میں داخل ہوتے عمر کے علاوہ کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ بڑے بھرپور انداز میں مسکرایا۔

پتا نہیں کیوں اس کی آنکھوں میں مجھے اس وقت وہی خاص قسم کی چمک نظر آئی جو بچپن میں مجھے ستانے اور رلانے پر اس کی آنکھوں میں نظر آتی تھی۔ عجیب سی سازشی اور مکار آنکھیں جو دوسروں کو ذہانت سے بھرپور نظر آتی تھیں۔ میں اسے نظرانداز کر کے آگے بڑھی اور دونوں چیزیں ممی کی جھولی میں ڈال دیں۔ انہوں نے حیران ہو کر میری طرف دیکھا۔ باقی سب بھی ہماری طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ عمر سر جھکا کر کارپٹ پر لکیریں کھینچ رہا تھا، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ہنسی روکنے کی کوشش کر رہا ہے۔

''کیا بات ہے تابی؟'' ممی نے مجھ سے دریافت کیا، ان کا اشارہ میرے چیزیں ان کی گود میں ڈالنے کی طرف تھا۔ اب کسی قسم کی مروت یا لحاظ کی تو کوئی ضرورت نہیں تھی چنانچہ میں بڑے نڈر انداز میں بولی۔

''یہ مجھے عمر نے دیا ہے۔'' وہ چند لمحے حیرت سے مجھے دیکھتی رہیں پھر کارڈ اور پھولوں کو بڑے غور سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولیں۔

''لیکن ایسی چیزیں اماں ابا کو نہیں دکھاتے، یہ نہیں بتایا اس نے تمہیں؟'' ممی کا جواب میری توقع کے بالکل برخلاف تھا۔ ممی کے برابر میں بیٹھی مما نے بھی کارڈ کو مسکراتی نظروں سے دیکھا اور میری طرف دیکھ کر یوں ہنسنے لگیں جیسے میں بڑی بے وقوف ہوں جو یہ اٹھا کر سب کے پاس لے آئی ہوں۔

''اس نے مجھے ویلنٹائن ڈے پر پھول اور گفٹ دیا ہے اور آپ ہنس رہی ہیں۔'' میرا غصے سے برا حال تھا۔ کتنا دہرا معیار ہے ہمارے گھر میں اگر لڑکی کسی لڑکے کو پھول دے تو قابلِ نفرت اور لڑکوں کو کھلی چھوٹ ہے۔ وہ جو چاہے کرتے پھریں۔ میں اپنا اشتعال کنٹرول کرنے سے قاصر

تھی۔ میری بات پر سب چہروں پر دبی دبی مسکراہٹ پھیل گئی تھی اور تو اور دادی بھی مسکرا رہی تھیں جیسے میں کوئی لطیفہ سنا رہی ہوں جبکہ وہ ہنوز کارپٹ پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچتے ہوئے ہنسی روک رہا تھا۔

''کیوں بھئی عمر! تم نے ہماری بیٹی کو پھول کیوں دیئے ہیں؟'' ڈیڈی میرا لال بھبو کا چہرہ دیکھ کر بڑی سنجیدگی سے عمر سے مخاطب ہوئے مگر ان کے لہجے میں چھپی شرارت صاف نظر آ رہی تھی۔ میں نے ان کی طرف دیکھا تو وہ زبردستی سنجیدہ بنے ہنسی ضبط کیے بیٹھے تھے۔ مریم باقاعدہ قہقہہ لگا کر ہنس رہی تھی۔

سب کے رویئے میری امیدوں کے برخلاف تھے۔ میرا دل بھر آیا اور میں تیز قدموں سے دوڑتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگی، پیچھے سے ڈیڈی اور ممی کی آوازیں آ رہی تھیں وہ مجھے منانے کے لیے کچھ کہہ رہے تھے مگر میں کچھ سننا نہیں چاہتی تھی۔ کمرے تک آتے آتے باقاعدہ آنسو نکل آئے اور میں دروازہ بند کر کے رونے بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد مریم کی آواز آئی۔ وہ زور زور سے دروازہ پیٹ رہی تھی مگر میں ڈھیٹ بنی منہ سر لپیٹے پڑی رہی۔ صبح ہوئی تو میرا کمرے سے نکلنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا اسی لیے نہا کر کمرے ہی میں بیٹھی رہی۔ دروازے پر دستک دی اور مما کی آواز آئی۔

''تابی! بیٹا دروازہ کھولو'' مما کی آواز سن کر مجھے اٹھنا ہی پڑا۔ میرے دروازہ کھولنے پر وہ اندر داخل ہوئیں اور بغور میری طرف دیکھ کر ہنس پڑیں۔

''ابھی تک چھوٹے بچے کی طرح ناراض ہو جاتی ہو'' وہ مسکراتی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ پھر مما نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے پاس بیڈ پر بٹھایا اور میرے بال سنوارتے ہوئے پیار سے کہنے لگیں۔

''اتنی بڑی ہو گئی ہو لیکن عقل نام کو بھی نہیں ہے، رات وہ چیزیں لے کر سب کے پاس آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ عثمان بھائی تو رات گئے تک اس بات پر عمر کا مذاق اڑاتے رہے کہ تم تو اپنی بیوی سے کبھی اظہارِ محبت بھی نہیں کر سکو گے کہ یہ ابھی جا کر سب کو بتا آئے گی۔'' مما جیسے کوئی بات یاد کر کے دوبارہ ہنسنے لگیں۔ مما کی اس بات پر میں ایک دم چونک گئی، یہ مما کیا کہہ رہی تھیں؟

''کون بیوی؟ کیا مطلب ہے آپ کا؟'' میرے آس پاس خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں۔

''بیوقوف ہم تمہاری اور عمر کی منگنی کی بات طے کر چکے ہیں اور تم اس بے چارے کا اتنی چاہت سے دیا تحفہ سب کو دکھاتی پھر رہی ہو۔'' مما نے جیسے میری عقل پر ماتم کیا تھا۔ ان کی یہ بات سن کر میں اپنا غصہ چھپا نہیں پائی ایک دم پھٹ پڑی۔

''منگنی میری، وہ بھی اس خبیث سے، نیور۔'' مما میرے خبیث کہنے پر مجھے گھورنے لگیں مگر مجھے ان کے گھورنے کی کچھ خاص پرواہ نہ تھی۔ حد ہو گئی میری منگنی اور شادی کی باتیں کی جا رہی ہیں اور میں ہی لاعلم ہوں۔ مجھے اپنا ردعمل بالکل درست لگ رہا تھا۔

''عمر میں برائی کیا ہے؟'' مما نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''اس ایڈیٹ میں اچھائی کیا ہے، مجھے اس سے نفرت ہے۔'' اب کے مما کو بھی غصہ آ گیا اس لیے ڈانٹنے والے انداز میں بولیں۔

''کیا بدتمیزی ہے تابی! اس طرح بولتے ہیں۔'' وہ ناراض ہوگئی تھیں۔

''مما! آپ میری بات اچھی طرح سن لیں، میں کنواری مرنا زیادہ پسند کروں گی بہ نسبت اس بات کے کہ میری اس سے شادی ہو۔ میں تو اس کی شادی میں شریک ہونا بھی اپنی توہین سمجھتی ہوں۔ میری منگنی کی باتیں ہو رہی ہیں اور مجھ سے پوچھا تک نہیں گیا۔ جیسے میں تو کب سے تیار بیٹھی تھی، بس شہزادہ جانِ عالم کی سواری کا انتظار تھا۔'' مجھے ایک دم ڈھیر سارا رونا آ گیا تو اپنی بات ادھوری چھوڑ کر دھواں دھار رونے لگی۔

میرے رونے پر مما کا دل پسیج گیا اور وہ قدرے نرم لہجے میں کہنے لگیں۔ ''تابی! وہ بہت اچھا ہے، تم بہت خوش رہو گی۔ پھر یہ اماں کی اور ہم سب کی بھی خواہش ہے۔''

''ہاں، وہ بہت اچھا ہے، بس میں ہی اس کے قابل نہیں ہوں اس لیے آپ لوگ مجھے معاف کر دیں اور اس اچھے کے لیے کوئی اس سے زیادہ اچھی لڑکی ڈھونڈ لیں۔'' میں روتے روتے بولی اور اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔ سامنے کوریڈور میں عمر اور مریم آپس میں کچھ بات چیت کرتے ہوئے اسی طرف آ رہے تھے۔ میری آنسو برساتی آنکھوں کی طرف دونوں ہی نے غور سے دیکھا تھا۔ میں ان کو نظر انداز کرتی مریم کے کمرے میں گھس گئی۔ شام تک میں یونہی کمرے میں پڑی رہی۔ چھ بجے کے قریب مریم کمرے میں آئی اور میرے پاس بیٹھ کر کہنے لگی۔

''آپی!'' میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا تو وہ ناراض لہجے میں بولی ''میں نے کیا کہا ہے جو آپ مجھ سے بھی ناراض ہو گئی ہیں۔ پلیز آپی اٹھیں ناں۔ یاد ہے کل آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ حرا کی برتھ ڈے کے لیے گفٹ خریدنے میرے ساتھ بازار چلیں گی۔'' اس کی منت پر میں نے تکیے میں منہ دیے دیے ہی جواب دیا۔

''مریم! آج میرا موڈ نہیں، یا تو کسی اور کے ساتھ چلی جاؤ اور اگر میرے ہی ساتھ جانا ہے تو کل پر رکھو۔''

''کسی اور کے ساتھ کیوں جاؤں، وعدہ تو آپ نے کیا تھا اور آج ہی جانا ہے، کل تو اس کی برتھ ڈے ہے۔ آپ کو اپنی چھوٹی بہن کا ذرا سا بھی خیال نہیں ہے۔ آپ کی اکلوتی بہن ہوں میں جس کے ساتھ آپ اتنا برا سلوک کر رہی ہیں۔'' وہ رونے کی تیاری کرنے لگی تو مجھے اٹھنا ہی پڑا۔ اور پھر صرف مریم کا دل رکھنے کی خاطر میں بازار جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

ٹھیک ہے اس سارے قصے میں مریم کا کیا قصور ہے۔ اصل غصہ تو مجھے مما اور پاپا پر تھا۔ مریم تو بے قصور اور معصوم ہے۔ میں نے خود سے کہا اور مریم کا خوشی سے دمکتا چہرہ دیکھ کر مسکرا دی۔ وہ میرے مان جانے پر بہت مسرور تھی۔ گاڑی کی چابی اٹھائے ہم دونوں لاؤنج میں آئے۔ مما، ممی اور دادی تینوں ہی وہاں بیٹھی تھیں۔ میں نے پھولے منہ سے بازار جانے کا بتایا اور ممی کی معنی خیز مسکراہٹ نظر انداز کرتی باہر آ گئی۔ گاڑی اسٹارٹ کر کے مین روڈ پر ڈالی تو موسم کی خوشگواری نے میرے آف موڈ پر بھی خوشگوار اثر ڈالا۔ گاڑی میں اپنی پسند کا کیسٹ لگائے میں اس وقت ڈرائیونگ کو انجوائے کر رہی تھی۔

''آپی! شاپنگ بعد میں پہلے آپ مجھے ''میک ڈونلڈز'' سے برگر کھلوائیں۔'' مریم نے پھیلنا شروع کیا تو میں نے اسے گھور کر دیکھا۔

''میں تو آپ کی وجہ سے کہہ رہی تھی۔ صبح سے بھوکی پیاسی ہیں، خالی پیٹ شاپنگ کیا خاک ہوگی۔'' وہ میرے گھورنے پر ہنستے ہوئے کہنے لگی۔
اس کی بات پر مجھے بھی ہنسی آ گئی اور پھر واقعی مجھے بھوک بھی بہت شدید لگ رہی تھی اس لیے گاڑی ''میک ڈونلڈز'' کے سامنے روک دی۔
اندر داخل ہو کر میں کاؤنٹر کی طرف بڑھتے ہوئے مریم سے پوچھنے لگی۔
''کیا لوگی؟'' وہ ادھر ادھر نظریں دوڑا رہی تھی جیسے کسی کو ڈھونڈ رہی ہو۔ میری بات کا جواب بھی اس نے بڑی بے توجہی سے دیا۔
''میں چکن ود چیز اور کوارٹر پاؤنڈر کھاؤں گی مگر پہلے ذرا وہاں چلیں۔'' وہ ایک دم بڑے پرجوش انداز میں میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے مجھے ایک میز کی طرف لے آئی اور وہاں بیٹھی شخصیت کو دیکھ کر میرا پارہ آسمان پر چڑھنے لگا۔
مجھے اپنا غصہ ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ مریم میرے غصے اور ناراضی سے بے نیاز اس سے مخاطب تھی۔
''ہم لوگ لیٹ تو نہیں ہوئے؟'' وہ گھڑی دیکھتا ہوا مسکرا کر بولا۔
''پورے دس منٹ لیٹ ہو۔''
''میں کیا کرتی، آپی نے تیاری میں اتنی دیر لگا دی۔ اچھا اب میں جا رہی ہوں۔ حرا اپنے ڈرائیور کے ساتھ باہر میرا انتظار کر رہی ہے اور واپسی میں میرے لیے برگر لینا اور مجھے پک کرنا مت بھول لیے گا۔'' وہ دونوں مجھے نظر انداز کیے آپس میں مصروف تھے اور میں اپنی چھوٹی بھولی بھالی بہن کی سازشی ذہنیت ملاحظہ کر رہی تھی۔
''جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔'' مجھے بہت پہلے کا پڑھا یہ مصرعہ اچانک ہی یاد آیا تھا۔ مارے غصے کے میں فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ مجھے کرنا کیا چاہیے۔ ایسے ہی تو غصے کو حرام نہیں قرار دیا گیا۔ یہ انسان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو سلب کر لیتا ہے۔ مریم ہاتھ ہلاتی خدا حافظ کر کے جا چکی تھی اور میں اپنی مٹھیاں بھینچے کھڑی پتا نہیں کیا کرنا چاہتی تھی۔ مجھے خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ مجھے اتنی گھٹیا سازش کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ وہ بڑی تفصیلی اور گہری نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔
''بیٹھ جاؤ، لوگ تمہیں مشکوک نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔'' میں نے ایک سرد نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی اور بولی۔
''اتنی چیپ فلمی قسم کی حرکت کی وجہ پوچھ سکتی ہوں؟''
''تم بیٹھ تو جاؤ، وجہ بھی بتا دیں گے۔'' وہ اطمینان سے بولا۔ دل تو میرا چاہ رہا تھا کہ اس کا سر پھاڑ دوں لیکن ایک دم ہی مجھے خیال آیا کہ ٹھیک ہے آج اس کی تمام خوش فہمیاں اور غلط فہمیاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور کر دینی چاہئیں۔ اس لیے کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ میرے بیٹھنے پر اس نے سکون کا سانس لیا تھا اور بڑے آرام سے پوچھنے لگا۔
''کیا کھاؤ گی؟'' جیسے میں اس کی مہمان ہوں جسے اس نے بڑی چاہت سے انوائیٹ کیا ہے اور اب میزبانی کے تقاضے نبھانے کے لیے دل و جان سے تیار ہے۔ میں کوئی جواب دیئے بنا اسے گھورتی رہی۔ میرے گھورنے پر وہ سہمنے کی ایکٹنگ کرتا ہوا بولا۔ ''ایسے مت گھورو، میں پہلے ہی خاصا ڈرا ہوا ہوں اسی لیے گھر کے بجائے تم سے یہاں بات کرنے کا فیصلہ کیا کہ گھر میں مجھے اپنی جان کا خطرہ تھا۔ یہاں کم از کم ارد گرد بیٹھے ہوئے

لوگوں کا لحاظ روا رکھتے ہوئے میری جان بخشی ہو جائے گی۔'' اس کی اوور ایکٹنگ پر میرا خون کھولنے لگا تھا، اسی لیے ایک دم پھنکاری۔

''تم میرے سامنے زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش مت کرو، میں تمہاری ساری کمینگیاں اچھی طرح جانتی ہوں۔'' میرے جواب پر وہ ہنس پڑا اور بولا۔

''اچھا آہستہ تو بولو، لوگ دیکھ رہے ہیں۔ ویسے مجھ میں برائی کیا ہے۔ تمہاری تمام شرائط پر پورا اترتا ہوں یعنی ہینڈسم، کیئرنگ، ویل آف، ایجوکیٹڈ وغیرہ ساری ہی خصوصیات مجھ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔'' وہ شوخ مسکراہٹ چہرے پر سجائے پوچھ رہا تھا۔

''تمہاری سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ تم ایک گھٹیا انسان ہو اور میں تم سے سخت نفرت کرتی ہوں، تمہارے ساتھ تو اگر جنت میں بھی جانے کو کہا جائے تو میں انکار کر دوں گی۔'' میں نے اپنی تمام تر نفرت پوری شدت کے ساتھ اس کے سامنے ظاہر کر دی تھی۔ لیکن وہ ڈھیٹ بنا مسکرائے جا رہا تھا جیسے میں نے ابھی کوئی دل دکھانے والی بات کہی ہی نہ ہو۔

''اچھا تو وہ تمام پرپوزلز کس خوشی میں ریجیکٹ کیے گئے تھے؟ وہ اپنی اصلیت پر آتا میرا دل جلانے لگا تو میں نے بڑے طنزیہ انداز میں جواب دیا۔

''تمہاری وجہ سے، اصل میں مجھے تمہارا انتظار تھا۔'' وہ بھرپور انداز میں مسکرایا اور بولا۔

''مجھے معلوم تھا، تم نے میری ہی وجہ سے انکار کیا ہوگا۔ تمہاری جیسی اچھی لڑکی تو مجھے اس پوری دنیا میں اور کوئی نہیں ملے گی جو میری خاطر ڈائٹنگ کر کر کے اتنی دبلی ہو گئی ہے۔'' اس کی بات پر میں بلبلا اٹھی۔

''میں کوئی ڈائٹنگ وائٹنگ نہیں کرتی۔''

''شاید تم میرے غم میں اتنی اسمارٹ ہو گئی ہو۔ جب ہی اس دن اتنا درد بھرا گیت بھی گا رہی تھیں۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''عمر! آئی ول کل یو۔'' مارے غصے کے الفاظ منہ سے نہیں نکل رہے تھے۔ وہ میری کیفیت پر ہنستا ہوا بولا۔

''میرا خیال ہے اس وقت تمہیں کسی ٹھنڈی چیز کی اشد ضرورت ہے۔ ٹھہرو میں تمہارے لیے کچھ لے کر آتا ہوں۔'' وہ اٹھ کر چلا گیا اور میں خود پر قابو پانے لگی۔ مجھے جذبات کو کنٹرول کر کے اس کو منہ توڑ جواب دینا چاہیے۔ میں نے خود کو سمجھایا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آیا اور ٹرے میرے سامنے کرتا ہوا بولا۔

''کھاؤ۔'' میں نے ٹرے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تو وہ بڑی سنجیدگی سے بولا۔

''دیکھ لو، اس میں تمہاری پسند کی تمام چیزیں موجود ہیں۔ میں کتنا اچھا میزبان ہوں۔ اپنے مہمانوں کو مچھلی اور چائنیز رائس فریزر میں چھپا کر کے رکھ لیے تو ہرگز نہیں کھلاتا۔'' اس کی بات پر میرا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ کتنا چالاک ہے، میں نے دل میں سوچا۔ وہ میری شرمندہ سی شکل کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

''اس دن صرف تمہاری خاطر وہ کر کے لیے حلق سے اتارے تھے۔ جو میرے اوپر گزر رہی تھی وہ میرا دل ہی جانتا ہے۔''

اس کی بات پر میں نے ایک نظر اسے دیکھا، وہ براہِ راست میری آنکھوں میں جھانکنے لگا تو میں نے ایک دم نظریں جھکا لی تھیں۔ اس کا اس طرح دیکھنا مجھے نروس کرنے لگا تھا اور میں اپنی اس کیفیت پر قابو پانے سے قاصر تھی۔

''اب تو ناراضگی ختم کردو، اب تو تم مجھ سے بدلہ بھی لے چکی ہو، حالانکہ انگریزوں کے اس فضول سے تہوار کو میں نہیں مانتا مگر تمہاری خاطر فرسٹ فروری سے دن گن گن کر گزار رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا جب تک تم اپنا حساب برابر نہیں کروگی تمہیں چین نہیں آئے گا۔'' وہ مزے سے کل کے واقعے کا ذکر کر کے میرا دل جلا رہا تھا۔ کل کی ساری بات یاد آئی تو میں نئے سرے سے چڑ گئی اور بڑے تنفر سے بولی۔

''میری تمہارے ساتھ کوئی ناراضی نہیں ہے، نہ ہی تم اتنے اہم ہو کہ میں تمہارے خلاف ناراضیاں پالوں۔ تمہیں اپنے بارے میں بڑی زبردست غلط فہمی ہے۔ تم تو اگر سونے چاندی کے بھی بن کر آجاؤ میں تمہیں تب بھی منہ نہ لگاؤں۔''

''تم کہتی ہو تو مان لیتا ہوں، ویسے کسی نے مجھے بتایا تھا کہ میں بڑا ''اسپیشل ہوں'' اس کے چہرے پر وہی مخصوص مسکراہٹ تھی جو میرا دل جلایا کرتی تھی۔

''اور کہنے والوں نے تو میری شان میں بڑا خوب صورت شعر بھی کہا تھا۔'' وہ جس بات کی طرف اشارہ کر رہا تھا وہ میرے لیے باعثِ ندامت تھی اسی لیے میرا سر جھک گیا تھا۔

''تمہیں مجھ سے کس بات کی دشمنی ہے؟ آخر میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟'' میں نے ایک دم ہتھیار ڈال دیئے اور وہ میرے پسپائی اختیار کرنے پر مسکرا دیا۔

''دشمنی اور تم سے؟ ہرگز نہیں، میں تو پچھلے بائیس سالوں سے تمہارے عشق میں مبتلا ہوں۔'' وہ بڑی سنجیدگی سے بولا۔ میں نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے جذب سے مجھے ہی دیکھ رہا تھا۔

''تمہاری بے وقوف سہیلیوں نے کم از کم یہ ایک بات تمہیں بالکل صحیح بتائی تھی کہ تمہارا ہینڈسم اور اسمارٹ کزن صرف تمہیں اس لیے ستاتا ہے کہ وہ تمہیں پسند کرتا ہے۔ ویسے میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کرنے سے ڈرتا ورتا اس وقت بھی نہیں تھا بس مجھے مزہ آتا تھا تمہیں چڑا کر، ستا کر۔ میری شرارتوں پر جب تم چڑتی تھیں تو مجھے بڑا لطف آتا تھا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ تم ہر وقت میرے بارے میں سوچتی رہو اور دیکھ لو، اپنی اس کوشش میں میں کامیاب رہا۔ تم نے اپنی تمام زندگی میں میرے علاوہ اور کسی کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں۔''

وہ بڑے یقین سے کہتا میری طرف دیکھ رہا تھا اور اس کے اتنے پُر یقین انداز پر میں نے اپنی ہارٹ بیٹ کچھ ڈسٹرب ہوتی محسوس کی تھی۔ میرا دل میرے خلاف بغاوت کر رہا تھا اور میں اسے بری طرح ڈانٹ رہی تھی۔

''میں تمہاری کسی بھی بکواس پر یقین نہیں کروں گی، تم ایک نمبر کے جھوٹے اور فراڈ انسان ہو، پیٹھ پر وار کرنا تمہاری اضافی خوبی ہے۔'' میں نے دوٹوک انداز میں اس کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ بڑی بے بسی سے سر پکڑ کر بولا۔

''اب میں تمہیں اپنا یقین کیسے دلاؤں؟''

''تم کچھ بھی کرلو، میں تمہارے دھوکے میں کبھی بھی نہیں آؤں گی۔ تمہاری اصلیت مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔''میں نے نفرت سے کہا۔

''تم جس وجہ سے مجھ سے اتنی شدید ناراض ہو اگر سوچو تو اس سے تمہیں فائدہ ہی پہنچا ہے۔ پھر بھی تمہاری خوشی کی خاطر میں ایکسکیوز کرنے کے لیے تیار ہوں۔''اس کی بات پر میں ایک عدد تردیدی بیان دینے ہی والی تھی کہ وہ مزید کہنے لگا۔

''یار! بیس سال کی عمر میں تم مجھ سے کس قسم کی سنجیدگی اور میچورٹی کی توقع رکھتی تھیں۔ ویسے بعد میں کچھ سال گزرنے کے بعد میں نے جب غور کیا تھا تو تمہاری بولڈنیس کو سلام کرنے کو دل چاہا تھا۔ میں مانتا ہوں وہ شرارت ذرا سی سنگین ہو گئی تھی۔ مجھے وہ کارڈ جا کر چھوٹی ممی کو نہیں دینا چاہیے تھا۔ تم اسے میری پہلی اور آخری غلطی سمجھ کر معاف نہیں کرسکتیں اور اگر سوچو تو اس تمام واقعے نے تمہیں فائدہ ہی پہنچایا ہے۔ تم نے صرف مجھے نیچا دکھانے کے لیے خود کو اتنی اچھی طرح بدلا کہ سب خوش ہو گئے۔ امریکہ میں جب مجھے پتا چلا کہ وہ لڑکی جس کو ایل سی ایم لینا نہیں آتا تھا اور جو میتھ کے پیریڈ میں روز کھڑی کی جاتی تھی اس نے میتھس ہی میں ماسٹرز کرلیا ہے تو میں اتنا خوش ہوا کہ بتا نہیں سکتا۔ سارے گھر والے بشمول میرے یہی سمجھتے تھے کہ بہت سے بہت ہوا بھی تو یہی ہوگا کہ تم روتے پیٹتے بی اے کرلو گی اور تمہاری قابلیت جولیا رابرٹ، کیٹ ونسلیٹ، کاجل اور شاہ رخ خان کے قصوں سے آگے نہیں بڑھے گی۔ لیکن تم نے سب کے خیالات غلط ثابت کر دیئے اور میں جو یہ چاہتا تھا کہ تم اپنی ذہانت کو درست طریقے سے استعمال کرو مگر کبھی کہہ نہ پاتا تھا تم نے میرے کہے بغیر میری خواہش پوری کر دی۔ اچھی تو تم مجھے ویسے بھی لگتی تھیں اگر اتنا نہ پڑھتیں تب بھی مگر اب میں تم پر فخر کرتا ہوں پہلے صرف محبت کرتا تھا۔''اس نے زندگی میں پہلی بار بڑی سنجیدگی اور بردباری سے مجھ سے کوئی بات کی تھی۔ میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو ایسا لگا سب کچھ بدل رہا ہے۔ اس کے خلاف دل میں موجود سارا غصہ اور تمام نفرت پتا نہیں کہاں چلی گئی تھی۔ اس نے شاید میرے چہرے سے میری بدلتی کیفیت کا اندازہ لگا لیا تھا اس لیے مسکرا کر بولا۔

''میں یہ بات پورے دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ تمہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں اس لیے اب مزید منتیں مت کرواؤ۔ جب دل سے مان چکی ہو تو زبان سے بھی قبول کرلو۔''میرا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر وہ ہنس پڑا اور بولا۔

''شکر ہے تم کچھ شرما ورما بھی لیتی ہو ورنہ مجھے اپنے مستقبل کی بڑی فکر تھی اور ویسے تو تمہارا شکریہ بھی ادا کرنا تھا کہ تم نے دادی کی خدمتیں کر کے ان کا بھی دل جیت لیا ہے ورنہ تم دونوں کی قدیم دشمنی میں میرا تو بیڑا غرق ہو جانا تھا۔''

تمہاری طرح دادی کی چمچہ گیری نہیں کرتی ہوں، سمجھے۔''میں شرمانا بھول کر اپنے ازلی منہ پھٹ انداز میں بولی تو وہ شوخی سے مسکرا دیا اور کہنے لگا۔

''تمہارا وہ کارڈ آج بھی میرے پاس بڑی حفاظت سے رکھا ہوا ہے۔ شادی کے بعد ہم اسے فریم کروا کر اپنے کمرے میں لگالیں گے۔''

وہ مجھے چھیڑ رہا تھا اور میں نروس سی ہو کر سر جھکا گئی تھی۔

''اور شادی کے بعد جب کسی دن دادی اپنے من پسند پیاز کریلے پکایا کریں گی تو ہم دونوں کمرے میں چھپ کر پیزا کھایا کریں گے۔''

اس کی بات پر میں بھی ہنس پڑی تھی۔

''تمہاری تسلی کے لیے میں یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ تم کیسی بھی فلم دیکھو میں چھوٹی ممی سے شکایت نہیں کروں گا، چاہے وہ داتچ ہو یا شیکسپیئر ان لو یا پھر کوئی اور۔'' وہ شرارت بھرے انداز میں بولا تو میں نے بے ساختہ اس کو گھورا تھا۔

''عمر! تم واقعی بہت خبیث ہو۔'' میری بات پر وہ سنجیدگی سے کہنے لگا۔

''دیکھو یہ اتنے پیارے پیارے ناموں سے اکیلے میں پکار لیا کرنا۔ اگر دادی کے سامنے کہا تو نتائج کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہوگی۔''

اور جواب میں میں کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔